اگست ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

قانون تحفظ ناموس رسالتؐ

تاریخی پس منظر اور مخالفت کے اسباب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

دینی و دنیوی تعلیم کا سنگم

قرآن کالج لاہور (رجسٹرڈ)

(لاہور بورڈ سے الحاق شدہ)

ایف اے (آرٹس و جنرل سائنس کمپیوٹر) اور آئی کام میں داخلے جاری ہیں

داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 10 اگست 98ء ہے

برائے رابطہ

پرنسپل قرآن کالج' 191-اے اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن فون : 5833637

ممتاز عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی

کی تالیفات' خطابات اور دروس قرآن مجید میں سے

دو تعارفی سیٹوں کا انتخاب مع مکمل فہرست کتب و کیسٹ

10 کتب کا سیٹ (رعایتی قیمت -/65)

1- اسلام کا معاشی نظام 2- راہ نجات
3- فرائض دینی کا جامع تصور
4- نظام خلافت کے خدوخال 5- عزم تنظیم
6- دعوت الی اللہ 7- تنظیم اسلامی کی دعوت
8- نبی اکرم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں
9- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
10- اسلام میں عورت کا مقام

5 کیسٹس کا سیٹ (رعایتی قیمت -/125)

1- امت مسلمہ کے زوال کے اسباب
2- عظمت قرآن مجید
3- ہمارا دین ہم سے کیا چاہتا ہے؟
4- نیکی کا حقیقی تصور
5- پاکستان میں نظام خلافت کے قیام کا لائحہ عمل

نوٹ: یہ سیٹ پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں تنظیم اسلامی کے مقامی دفاتر سے حاصل کئے جاسکتے ہیں مرکزی دفتر سے بذریعہ وی پی یا منی آرڈر طلب کئے جاسکتے ہیں - (ڈاک خرچ بذمہ ادارہ)

تنظیم اسلامی پاکستان' 67/A علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور فون 6305110 / 6316638

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد :	۴۷
شمارہ :	۸
ربیع الثانی	۱۴۱۹ھ
اگست	۱۹۹۸ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زرِ تعاون	۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03۔02۔5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال _____ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ _____ ۷
قانون تحفظِ ناموسِ رسالت

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ میاں محمد نواز شریف کے نام _____ ۱۹
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خط

☆ منهج انقلابِ نبوی ﷺ (۷) _____ ۲۹
تصادم کا آخری مرحلہ : مسلح کشمکش

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ دعا کی اہمیّت و فضیلت _____ ۴۷
کرنل (ر) محمد یونس

☆ ایمانیاتِ ثلاثہ _____ ۶۲
اصل حاصل اور باہمی تعلق (۲)

رحمت اللہ بٹر

☆ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ _____ ۶۷
حافظ محبوب احمد خان

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۶) _____ ۷۵
علامہ محمد صالح المنجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

۱۳ جولائی کو امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف سے ان کی رہائش گاہ (اے بلاک' ماڈل ٹاؤن) پر ملاقات کی۔ اس موقع پر امیر تنظیم کے ساتھ ان کے نائب ڈاکٹر عبدالخالق بھی موجود تھے جبکہ میاں نواز شریف کے ساتھ ان کے بھائیوں' والد یا مصاحبین میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ گویا اگر اسے ون ٹو ون ملاقات کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ امیر تنظیم نے اپنے مدعا کو بہتر اور مربوط طور پر پیش کرنے کی غرض سے اسے تحریری صورت میں ڈھال لیا تھا جسے اس ملاقات کے موقع پر وزیراعظم کو پڑھ کر سنا دیا گیا اور جہاں ضروری خیال کیا گیا زبانی وضاحت بھی کر دی گئی۔ اور پھر وہ تحریر ایک مکتوب کی صورت میں بطور یادداشت' وزیراعظم کی خدمت میں پیش بھی کر دی گئی تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے ـــــ وزیراعظم کے نام یہ مکتوب "ندائے خلافت" کے گزشتہ شمارے میں من و عن شائع کر دیا گیا تھا' تاہم "میثاق" کے ان قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر کہ جو "ندائے خلافت" کے مستقل قاری نہیں ہیں' زیر نظر شمارے میں بھی اسے شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔

ہمیں اندازہ ہے کہ ہمارے رفقاء و احباب اس ملاقات کا پس منظر جاننے کے لئے بے چین ہوں گے۔ اس ملاقات کے مقصد اور پس منظر کو مختصر ترین الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ ملاقات تکمیل دستور خلافت مہم کے ضمن میں "اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے" کا مظہر تھی ـــــ پچھلے سال فروری میں میاں نواز شریف کے برسراقتدار آنے کے بعد امیر تنظیم کی ان سے یہ چوتھی ملاقات ہے۔ اس سے پہلے کی تین ملاقاتوں کی کسی قدر تفصیل "ندائے خلافت" یا "میثاق" کے ذریعے احباب تک یقیناً پہنچ چکی ہو گی۔ ہم یہاں اجمالاً عرض کئے دیتے ہیں کہ ان ملاقاتوں کا آغاز نہایت غیر متوقع طور پر ہوا۔ گزشتہ انتخابات میں مسلم لیگ کی نہایت غیر معمولی کامیابی اور اس کے نتیجے میں میاں نواز شریف کے برسراقتدار آنے کے بعد امیر تنظیم اسلامی نے اپنے خطاب جمعہ میں بدلے ہوئے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے نئی حکومت کو جو مشورے دیئے ان میں یہ بات بہت زور دے کر کہی کہ پاکستان کی خالق جماعت ہونے کی مدعی مسلم لیگ کو ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے پچاس سال بعد

اب ۹۷ء میں ایک بار پھر جو بھاری مینڈیٹ اور غیر معمولی عوامی حمایت حاصل ہوئی ہے اس پر ہدیۂ تشکر کے طور پر میاں نواز شریف صاحب کو چاہئے کہ وہ ملک میں شریعت کے نفاذ اور دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کو یقینی بنانے کی خاطر فوری طور پر ضروری ترامیم کروائیں تاکہ کم از کم دستوری و آئینی سطح پر اسلامی ریاست کے قیام کیناگزیر تقاضے پورے کئے جا سکیں اور گزشتہ نصف صدی سے ہم مسلمانان پاکستان اللہ تعالیٰ سے جس بدعہدی کے مرتکب ہو رہے ہیں اس کے ازالے کا سامان کیا جا سکے ـــــ اس خطاب جمعہ کا آڈیو کیسٹ امیر محترم نے میاں نواز شریف کے والد بزرگوار میاں محمد شریف کو اس درخواست کے ساتھ بھجوا دیا کہ اگر مناسب سمجھیں تو وہ اس خطاب کو سن کر اپنے بیٹوں یعنی میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کو ان کی اس ذمہ داری کی جانب متوجہ کریں اور انہیں اس بارے میں ضروری رہنمائی دیں ـــــ کیسٹ بھجوائے جانے کے چند ہی دنوں بعد میاں محمد شریف صاحب اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ امیر تنظیم سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی تشریف لے آئے کہ جو باتیں آپ کیسٹ کے ذریعے ہم تک پہنچانا چاہتے ہیں' ان کو آپ سے براہ راست سننے اور سمجھنے کے لئے ہم حاضر ہو گئے ہیں۔

یہ بلاشبہ ایک بہت ہی غیر متوقع معاملہ تھا۔ اس پہلی ملاقات میں جو قریباً نصف گھنٹے پر محیط تھی' امیر تنظیم نے اپنے موقف کو مختصراً لیکن جامع انداز میں معزز مہمانوں کے سامنے رکھا اور انہیں یاد دلایا کہ اپنے پچھلے دور حکومت میں بھی انہوں نے نفاذ شریعت کے لئے آئینی ترمیمی بل لانے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس کے ایفاء کی نوبت نہیں آ سکی تھی' لہٰذا اب اس حوالے سے ان پر دُہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس ملاقات کے قریباً دو ماہ بعد جب کہ ملک میں اچانک فرقہ وارانہ دہشت گردی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا اور آٹے کے سنگین بحران نے ایوان حکومت میں زلزلے کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی' میاں محمد شریف صاحب ایک بار پھر تینوں بیٹوں کے ساتھ امیر تنظیم سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی تشریف لے آئے۔ اس بار ان حضرات نے امیر محترم کی بات کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ توجہ اور انہماک سے سنا۔ اس بار گفتگو یک طرفہ نہیں تھی بلکہ دونوں بھائی' میاں نواز شریف اور شہباز شریف نہ صرف یہ کہ گفتگو میں دلچسپی کے ساتھ شریک ہوئے بلکہ بعض معاملات کی مزید وضاحت کے لئے انہوں نے امیر تنظیم سے سوالات بھی کئے۔

ان دونوں ملاقاتوں کو امیر تنظیم نے اس پر محمول کیا کہ وزیر اعظم پاکستان اور وزیر اعلیٰ پنجاب ملاقات کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ تین سعادت مند بیٹے (تیسرے بیٹے عباس شریف ہیں جو زیادہ معروف نہیں) اپنے بزرگ والد کی خواہش کے احترام میں ان کے ساتھ امیر تنظیم سے ملاقات کے لئے ان کے غریب خانے پر چلے آئے تھے۔ بہرکیف امیر تنظیم کے نزدیک ان حضرات کا یوں ملاقات کے لئے آنا غیر متوقع بھی تھا اور خوش آئند بھی۔ چنانچہ اس سازگار صورتحال کو دیکھتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے خود بھی تنظیم کے ایک وفد کے ہمراہ وزیر اعظم سے باضابطہ ملاقات کا فیصلہ کیا اور وزیر اعظم ہاؤس میں میاں نواز شریف صاحب اور ان کے قریبی ساتھیوں سے ملاقات کے موقع پر تنظیم کی جانب سے ایک تحریری یادداشت پیش کی جس میں سود کے خاتمے اور دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کی قیام کے لئے دستوری ترامیم کے مطالبے کو نہ صرف یہ کہ معین الفاظ میں پیش کیا گیا تھا بلکہ مجوزہ ترامیم کو بھی مرتب صورت میں قانونی زبان میں پیش کیا گیا تھا۔ اس موقع پر تنظیم کے وفد جس کی سربراہی امیر تنظیم کر رہے تھے اور وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کے افراد کے مابین بھرپور گفتگو ہوئی۔ امیر تنظیم نے ان کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب اور ہر اشکال کا مناسب حل پیش کیا۔ یہاں تک کہ راجہ ظفر الحق سے مخاطب ہو کر وزیر اعظم کو کہنا پڑا کہ "راجہ صاحب! اب ترمیمی بل لانے کی تیاری کیجئے"۔ یہ بات وزیر اعظم سے تنظیم کے وفد کے سامنے راجہ ظفر الحق صاحب سے دوبار کہی لیکن اس کے بعد ایک طویل عرصے تک اس معاملے میں جب کوئی ٹھوس پیش رفت حکومت کی جانب سے سامنے نہ آئی' یہاں تک حکومت نے اپنے اقتدار کو مزید مستحکم کرنے کی خاطر تو دو بار دستور میں ترمیم منظور کروالی لیکن قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے ترمیمی بل لانے کی توفیق انہیں نہ ہوئی تو امیر محترم پر بھی اس حوالے سے کسی قدر مایوسی اور رنج کے جذبات غالب آنے لگے جن کی عکاسی ان کے خطابات و تقاریر میں بھی ہوتی رہی۔

آج سے دو ماہ قبل بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں جب پاکستان نے امریکہ کے شدید ترین دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے اور عالمی طاقتوں کی خواہشات کے علی الرغم ایٹمی دھماکہ کرنے کا تاریخ ساز فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں پاکستان کامیاب ایٹمی تجربے کر کے ایٹمی طاقتوں کی صف میں شامل ہو گیا تو ایک بار پھر امید کے چراغ روشن ہوئے۔ یہ امید دو اعتبارات سے

تھی۔ ایک یہ کہ امیر محترم کے ان افکار و خیالات کو اس کے ذریعے تقویت پہنچی کہ مشیت ایزدی میں اسلام کے عالمی غلبہ کے ضمن میں پاکستان کے ذمے کوئی اہم رول ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر ایٹمی معاملے میں میاں نواز شریف امریکہ کے شدید ترین دباؤ کو مسترد کر کے عوامی مطالبے کو اہمیت دیتے ہوئے ایک غیر معمولی قدم اٹھا سکتے ہیں تو اب وہ شریعت کے نفاذ اور قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے بھی بیرونی اور اندرونی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے "خالص دینی دھماکہ" کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ چنانچہ ایٹمی دھماکے کے دو روز بعد اس خیال کو ایک اخباری اشتہار کی صورت میں بڑے پیمانے پر عام کرتے ہوئے امیر تنظیم نے میاں نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ کا نام لے کر یہ دینی دھماکہ بھی اب کر ڈالیں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد پورے پاکستان میں ایک نیا جوش و خروش اور اک ولولہ تازہ دیکھنے میں آیا۔ شریعت کے نفاذ اور قرآن و سنت کو سپریم لاء بنانے کا یہ ایک نہایت موزوں اور مناسب موقع تھا ـــــ چنانچہ اسی ضمن میں امیر تنظیم نے صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ سے بھی ایک تفصیلی ملاقات کی اور اس ضمن میں انہیں ان کی ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے دستوری ترمیم کے بعد پیدا ہونے والے ممکنہ مسائل کے بارے میں صدر پاکستان کے بعض اشکالات کا قابل عمل حل بھی پیش کیا جس سے صدر محترم نے اتفاق کیا۔

نواز شریف صاحب سے یہ حالیہ ملاقات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اس موقع پر چونکہ امیر تنظیم نے اپنے خیالات کو تحریری صورت میں منضبط کر لیا تھا اور وہ تحریر اب ایک اہم ریکارڈ کے طور پر محفوظ ہے اور زیر نظر شمارے میں شائع بھی کر دی گئی ہے لہٰذا قارئین و احباب کے لئے یہ جاننا بہت آسان ہو گیا ہے کہ امیر تنظیم کا وزیر اعظم پاکستان سے مطالبہ کیا ہے' امیر تنظیم کی ان کے ساتھ بار بار کی ملاقاتوں میں کون کون سے موضوعات زیر بحث آتے رہے' وزیر اعظم پاکستان کے بارے میں امیر تنظیم کی رائے کیا ہے اور ان کی ان ملاقاتوں کا پس منظر اور غرض و غایت کیا ہے!! ـــــ ہمارے نزدیک فرمان نبویؐ "الدین النصیحة" کا تقاضا یہ ہے کہ حکمرانوں کو بھی نصح و خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ وہ مشورہ دیا جائے جس میں دین کی سربلندی اور ملک و ملت کے مفاد کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کی اخروی عافیت بھی پیش نظر ہو۔ امیر تنظیم کا مذکورہ مکتوب اسی امر کا شاہد عادل ہے۔ ○○

قانون تحفّظِ ناموسِ رسالتؐ

تاریخی پس منظر اور مخالفت کے اسباب

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۰ جولائی ۹۸ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتّب : نعیم اختر عدنان

میری آج کی گفتگو کا موضوع قانون تحفظ ناموس رسالت ہے' جسے عرف عام میں قانون توہین رسالت کہا جاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ دنوں مجھے ایک صاحب کی طرف سے رقعہ ملا تھا جس میں توہین رسالت کے حوالے سے سوال کیا گیا تھا۔ اسے پڑھ کر فوری طور پر ۹۱ء میں بننے والا توہین رسالت کا قانون ذہن میں آیا' جس کے بارے میں نہ صرف اندرون ملک عیسائی اقلیت نے شدید احتجاج کیا بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی مغربی حکومتوں کی جانب سے تاحال احتجاج جاری ہے۔ مگر بعد ازاں جب میں نے اس رقعے کو غور سے پڑھا تو اس میں زیر بحث موضوع سے ہٹ کر سوال کیا گیا تھا۔ رقعہ کی عبارت یہ ہے :

"محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' امیر تنظیم اسلامی' السلام علیکم!
توہین رسالتؐ کیا ہے؟ کیا حضور ﷺ کے ارشادات کی نفی توہین رسالت کے ضمن میں نہیں آتی؟ اگر آتی ہے تو کیا حکومت وقت سودی نظام جاری رکھ کر توہینِ رسالتؐ کا ارتکاب نہیں کر رہی؟ حضور ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں سود کو حرام قرار دیا ہے' اگر ہم اس نظام کے خلاف جدوجہد نہ کریں تو کیا ہم بھی توہین رسالتؐ کا جرم کرنے والوں میں شامل نہ ہوں گے؟ آپ اپنا موقف واضح طور پر سمجھا دیں"۔

توہین رسالت کے قانون کے حوالے سے یہ مسئلہ کافی عرصہ سے زیر بحث رہا ہے مگر

میں نے اس مسئلہ پر کبھی گفتگو نہیں کی' تاہم اب میں اس کمی کی تلافی کرتے ہوئے اس موضوع پر اپنے نقطۂ نظر کو مرتب انداز میں واضح کر رہا ہوں۔ اس رقعہ میں اٹھائے گئے استفسار کے پس منظر میں جو چیز مضمر ہے اسے سمجھنا ضروری ہے۔ ایک کفر حقیقی ہے اور دوسرا کفر قانونی' جس کے ارتکاب سے کوئی شخص مرتد قرار پاتا ہے۔ کفر حقیقی کیا ہے؟ اسے بعض احادیث کی روشنی میں سمجھئے! حدیث کی رو سے ((مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ)) "جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اُس نے کفر کیا"۔ لیکن اس فرمان نبویؐ کا یہ مطلب نہیں کہ تارک نماز قانونی طور پر کافر ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ((مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ)) "جس شخص نے قرآن کی حرام کردہ کسی شے کو اپنے لئے حلال ٹھہرالیا اس کا قرآن مجید پر کوئی ایمان نہیں"۔ لیکن کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسا شخص مرتد ہو گیا ہے؟ اسی طرح حضور ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر ارشاد فرمایا ((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ' وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ)) "خدا کی قسم! وہ شخص ایمان نہیں رکھتا" اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کون اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپؐ نے فرمایا: ((الَّذِيْ لَا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ)) "جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے چین میں نہیں ہے"۔ پڑوسی کے ساتھ برا سلوک نہ شرک ہے' نہ کفر اور نہ ہی کبیرہ گناہ ہے' بلکہ یہ ایک اخلاقی برائی ہے' کج خلقی ہے۔ لیکن اس شخص کے اس رویئے پر حضور ﷺ نے اس کے عدم ایمان کی تین دفعہ قسم کھائی تو کیا ایسا شخص کافر ہے؟۔

یہ بڑا پیچیدہ اور مشکل مسئلہ تھا جسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفقہ الاکبر" میں بڑی عمدگی سے حل کیا ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا البتہ دین کی کسی بنیادی چیز کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ جیسے نماز کا انکار کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے مگر تارک صلوۃ کافر نہیں ہوتا۔ محض کفر حقیقی کا مرتکب قانوناً مرتد نہیں ہوتا' البتہ گناہگار ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے صوفیاء کے حلقے میں ایک قول مشہور ہے جس سے اس معاملے کے انتہائی پہلو کی عکاسی ہوتی ہے کہ "جو دم غافل سو دم کافر"۔ گویا کفر حقیقی کی آخری حد یہ ہے کہ انسان کا جو سانس بھی غفلت میں گزرتا ہے وہ گویا ایک طرح کے کفر میں گزرتا ہے۔ اسی طرح ایک شرک فی العقیدہ کا معاملہ ہے اور

ایک شرک فی العمل ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح کا معاملہ نفاق کا بھی ہے' ایک نفاق قلبی ہے اور دوسرا نفاق عملی یا فعلی ہے۔ یعنی ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس میں ایک طرح کا نفاق موجود ہے لیکن اسے آپ عقیدے کا نفاق نہیں کہہ سکتے۔

اسی طرح ناموس رسالتؐ کی توہین کا معاملہ ہے۔ ایک توہین رسالتؐ ظاہری اور قانونی ہے' اور ایک حقیقی اور عملی ہے اگرچہ اس میں نیت شامل نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضور ﷺ کی سب سے بڑی توہین یہ ہے کہ آپؐ کے احکامات سے سرتابی کی جائے۔ آپؐ کی نافرمانی بھی آپ کی توہین ہی کے مترادف ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان کو پس پشت ڈال کر من مانی کرنا اللہ تعالیٰ اور حضورؐ پر ایمان کے منافی ہے! لیکن اس کے باوجود قانونی اعتبار سے فرق و امتیاز اپنی جگہ موجود رہے گا۔ ایک معاملہ قابل دست اندازی پولیس جرم کا ہے' جبکہ بعض اخلاقی جرائم ہوتے تو بہت بڑے ہیں مگر یہ قانون کی زد میں نہیں آتے' جیسے غیبت کا گناہ ہے۔ اخلاقی سطح پر جرم اور قانونی سطح پر جرم کے مابین فرق تو رہے گا۔ چنانچہ توہین رسالتؐ کا قانونی اطلاق صرف کسی ایسے قول' فعل یا ظاہر و باہر عمل پر ہو گا جس سے حضور ﷺ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو اور اس امر کے شواہد بھی موجود ہوں کہ ایسا بدنیتی سے کیا گیا ہے۔ غیر شعوری طور پر توہین رسالتؐ کا ارتکاب قابل معافی ہے جو توبہ کرنے سے معاف ہو جائے گا۔ لیکن اگر شواہد سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص کی طرف سے جان بوجھ کر اور شعوری طور پر اس کی تحریر و تقریر یا فعل کے ذریعے توہین رسالتؐ کا ارتکاب کیا گیا ہے تو ایسے شخص پر توہین رسالتؐ کے قانون کا یقیناً اطلاق ہو گا۔

جہاں تک حقیقی توہین رسالتؐ کا تعلق ہے پوری اُمت مسلمہ اسلامی نظام نافذ نہ کر کے توہین رسالتؐ کے جرم کا ارتکاب کر رہی ہے۔ دُنیا کا کونسا ملک ایسا ہے جس میں نظام مصطفیٰ ﷺ قائم ہے؟ اگرچہ سعودی عرب' ایران اور افغانستان میں چند اسلامی قوانین نافذ ہیں مگر اسلام کا نظام حیات تو کسی ایک ملک میں بھی نافذ نہیں ہے۔ پوری دُنیا کے کسی ایک ملک میں بھی اسلامی نظام کا نافذ نہ کرنا گویا حضور ﷺ کی توہین کے ارتکاب کے

مترادف ہے۔ مزید برآں اُمت کی عظیم اکثریت انفرادی سطح پر بھی اس جرم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ البتہ کچھ لوگ ضرور ایسے موجود ہیں جنہوں نے دین کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے اور حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہیں۔ ذرا غور فرمایئے وہ مسلمان جو "شیو" بناتا ہے وہ محمد رسول ﷺ کے ایک واضح حکم کی حکم عدولی و نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہے' گویا وہ روزانہ اپنے عمل سے حضور ﷺ کے حکم کی توہین کر رہا ہے۔ اُس نے محض زمانے کے ایک فیشن اور چلن کی وجہ سے حضور ﷺ کے حکم اور عمل دونوں کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ داڑھی رکھنا تو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے' خود حضور ﷺ کا قول و عمل اس پر شاہد ہے۔ آپؐ نے فرمایا "داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ"۔ یہ حضور ﷺ کا واضح حکم ہے۔ داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے جس کو ترک کرنا یقیناً آپؐ کے حکم کی توہین ہے۔ لیکن یہ توہین عموماً شعور اور ارادہ کے ساتھ نہیں ہوتی لہٰذا اسے عمل کی کوتاہی کا نام ہی دیا جاسکتا ہے!

قانون توہین رسالتؐ کا تاریخی پس منظر

پاکستان میں توہین رسالتؐ کے مرتکب لوگوں کو سزا دینے کے لئے قانون سازی کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے قانون تحفظِ ناموسِ رسالت کی منظوری کا باقاعدہ مطالبہ ۱۹۸۳ء میں ہوا۔ لاہور میں مشتاق راج نامی وکیل نے انگریزی زبان میں HEAVENLY COMMUNISM نامی کتاب لکھی جس میں اُس نے اللہ تعالیٰ' حضور ﷺ اور اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا۔ اس کتاب پر پورے ملک میں زبردست احتجاج کیا گیا تو مجبوراً حکومت نے نقص امن کے خطرے کی وجہ سے اس وکیل کو دفعہ 295(A) کے تحت گرفتار کرلیا۔ ۱۹۸۴ء میں وفاقی شرعی عدالت میں جناب اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ کی طرف سے شریعت پٹیشن دائر کی گئی جس میں کہا گیا کہ توہین رسالتؐ کو قابل گرفت جرم قرار دیا جائے اور اس کی سزا موت مقرر کی جائے۔ اس اہم مسئلے پر پورے ملک میں بحث و تمحیص شروع ہو گئی۔ اسی دوران انسانی حقوق کے حوالے سے شہرت حاصل کرنے والی خاتون ایڈووکیٹ مسماۃ عاصمہ جیلانی نے اپنی تقریر میں حضور ﷺ

کے لئے نامناسب الفاظ استعمال کئے۔ اس خاتون نے "اُمی" کے لئے "illiterate" کا لفظ استعمال کیا' جو یقیناً توہین آمیز ہے۔ ایک اور خاتون مرحومہ آپا نثار فاطمہ' جو دین کی پرجوش مبلغہ اور اُس وقت ایم این اے تھیں (محترمہ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی خواہر نسبتی بھی تھیں) انہوں نے ۱۹۸۷ء میں قومی اسمبلی میں باقاعدہ ایک "بل" 295(C) کے نام سے پیش کیا۔ اس بل کو قومی اسمبلی نے باقاعدہ بحث کے بعد منظور کر لیا۔ اس قانون کے مطابق توہین رسالتؐ کے جرم کے مرتکب شخص کے لئے عمر قید اور سزائے موت پر مبنی دو سزائیں مقرر کر دی گئیں۔ اس پر جناب اسماعیل قریشی نے شرعی عدالت میں ایک اور پٹیشن دائر کر دی کہ توہین رسالتؐ کے جرم پر عمر قید کی سزا درست نہیں ہے' اس قانون میں ترمیم کر کے توہین رسالتؐ کی سزا بطور حد صرف "موت" مقرر کی جائے۔ لہٰذا ۱۹۹۱ء میں 295(C) کی حیثیت سے پورے ملک میں توہین رسالتؐ کا قانون لاگو ہو گیا جس کے خلاف بین الاقوامی سطح پر احتجاج کیا جا رہا ہے۔ امریکی صدر کلنٹن اور پوپ پال تک کو اس قانون سے پریشانی لاحق ہے۔ تحفظ ناموس رسالتؐ کے قانون کی منظوری جناب اسماعیل قریشی کا اصل کارنامہ ہے۔

اسی طرح کا معاملہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اٹھنے والی ختم نبوت کی تحریک کے نتیجے میں اُس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس قادیانی مسئلے کو نہایت عمدہ طریقے سے قومی اسمبلی کے ذریعے حل کر دیا۔ اگرچہ اس سے قبل مختلف عدالتی کیسوں میں قادیانیوں کے خلاف کفر کے فیصلے ہو چکے تھے مگر اس معاملہ کو قانونی حیثیت قومی اسمبلی کے فیصلے کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اسی طرح تحفظ ناموس رسالتؐ کا قانون وفاقی شرعی عدالت کی ہدایت پر قومی اسمبلی کے ذریعے نافذ العمل ہوا ہے۔

قانون تحفظِ ناموسِ رسالتؐ کی اصل حکمت

قانون تحفظ ناموس رسالتؐ کی حکمت کیا ہے اور یہ دُنیا کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا؟' اسے واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ بڑا اہم سوال ہے کہ پوری دُنیا آخر اس قانون کو

سمجھنے سے کیوں قاصر ہے؟ اسی طرح اسلام کا ایک قانون "قتلِ مرتد" کا ہے جو موجودہ دُنیا کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ دُنیا میں مقبول عام تصورات میں سے ایک تصور آزادی کا ہے۔ یعنی ہر شخص کو آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جب چاہے اپنے مذہب کو بدل لے' جبکہ اسلامی ریاست میں اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرنے والے مرتد کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح اظہارِ رائے کی آزادی کا معاملہ بھی ہے۔ ایک شخص اپنے مطالعہ اور غور و فکر سے جو بھی رائے پیش کرنا چاہے اُسے اس کی آزادی حاصل ہونی چاہئے' وہ اگر رشدی کی طرح پیغمبر ﷺ کی زندگی پر کیچڑ اچھالنا چاہے تو اسے اس کا بھی حق حاصل ہے۔ آج کی دُنیا میں رائج ان نظریات کا اصل سبب کیا ہے؟ اسے جاننا بہت ضروری ہے۔

دُنیا میں یہ مقبول عام تصورات یہودیوں کی طویل جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔ سیکولرزم کا نظریہ یہ ہے کہ دین اور ریاست دو الگ چیزیں ہیں' ریاست کا کوئی تعلق کسی بھی مذہب سے نہیں ہو گا۔ اگرچہ دُنیا کی ہر ریاست کا ایک سرکاری مذہب تو ہوتا ہے' مثلاً آج سیکولرزم کا سب سے بڑا علمبردار امریکہ ہے' لیکن عیسائیت امریکہ کا سرکاری مذہب ہے۔ امریکہ میں سرکاری تعطیلات عیسائی مذہب کے حوالے سے ہی ہوتی ہیں' اگرچہ وہاں بھی قانون سازی کی سطح پر انجیل یا تورات کے کسی حکم سے ریاست امریکہ کو کوئی بحث اور سروکار نہیں ہے۔ سیکولرزم کے نظریات پر مبنی نظام گزشتہ دو سو برس سے دُنیا میں رائج ہے' یہ خود بخود نافذ نہیں ہوا۔ خدا' رام اور "God" کو عبادت گاہوں تک محدود کر کے اور اسے ایوان حکومت اور ایوان عدالت سے دیس نکالا دے کر "No Admission" کا بورڈ لگا دیا گیا ہے۔ ملکی قانون کو قانون ساز اسمبلی کے ممبران کی اکثریت سے منظور کرالیا جاتا ہے اور عدلیہ بھی کسی آسمانی وحی کی قطعاً پابند نہیں ہوتی۔ گویا سیکولرزم کے تحت انسانی زندگی میں مذہب کی حیثیت محض ایک ضمیمے کی رہ گئی ہے' جبکہ انسان کی اجتماعی زندگی کا اصل نظام رائج الوقت سیکولر نظام کے تحت چل رہا ہے اور سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام' دیوانی اور فوجداری قانون سب سیکولرزم کے تابع ہیں۔ گویا دُنیا کا ۹۹ فیصد نظام لادینیت پر چل رہا ہے۔ اجتماعی زندگی سے تمام مذاہب کے

عمل دخل کو یکسر اور کلی طور پر ختم کر دیا گیا ہے اور انہیں انفرادی زندگی تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس صورتحال میں اگر مذہب کے چھوٹے سے دائرے اور گوشے میں تبدیلی بھی واقع ہو جائے تو آخر کونسا بڑا فرق واقع ہو جائے گا؟ کوئی شخص پہلے ہندو یا عیسائی تھا اور اب مسلمان ہو گیا تو اس سے ملک کے نظام میں تو کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا سیکولرزم کے تحت مذہب تبدیل کرنے کی آزادی بھی دی جاتی ہے اور بانیانِ مذاہب کی ذات پر ہر قسم کی ہرزہ سرائی کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "Son of God" قرار دیتے ہیں جبکہ یہودی انہیں "Son of man" قرار دیتے ہیں۔ گویا ہر ایک کو اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہے۔

یہ سب کچھ یہودی سازش کی کرشمہ سازی ہے۔ یہودی بہت چھوٹی سی قوم ہے' پوری دُنیا میں یہود کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ ملین سے کسی طرح بھی زائد نہیں ہے جن میں سے ۳۵ لاکھ یہودی اسرائیل میں آباد ہیں۔ اتنی ہی تعداد میں یہودی امریکہ میں آباد ہیں' جبکہ باقی پوری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ پوری دُنیا کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر سیاست کا رشتہ مذہب سے برقرار رہے تو یہود کو اپنے پیش نظر مقاصد میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں نہایت قلیل اقلیت کیا کر سکتی ہے؟ لہٰذا یہود نے سیاست اور مذہب کے باہمی رشتے کو منقطع کر دیا۔ اس ضمن میں جو آرڈر آف ایلومیناٹی (Order of Illuminati) تشکیل دیا گیا تھا اس کا "insignia" آج بھی ایک ڈالر کے نوٹ پر موجود ہے۔ یہود نے سیکولرزم کو دُنیا میں بڑی طویل محنت کے بعد رائج کیا ہے۔ یہودی مذہب غیر تبلیغی مذہب ہے' وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار کو یہودی بناتے ہی نہیں' کیونکہ یہودیت نسل پر مبنی ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ عیسائیت میں تفریق پیدا کر دیں جیسے مسلمانوں میں عبداللہ بن سبا نامی ایک یہودی نے تفریق پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ یہود نے عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ اور کیتھولک میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم سے پہلے عیسائیوں کے عہد اقتدار میں سود کی مکمل ممانعت تھی' لیکن پروٹسٹنٹ کے ذریعے یہودیوں نے سود کو جائز کروالیا۔ اس سودی نظام کی وجہ سے آج جس طرح پوری دُنیا کی معیشت عالمی مالیاتی اداروں کی گرفت میں ہے

اسی طرح ڈیڑھ صدی قبل یورپی ممالک کی معیشت پر یہودی گرفت مسلط ہو چکی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنے سفر یورپ میں اسی صورتحال کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ ع "فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے"۔ سیکولرزم کا نظریہ مذہب اور ریاست کی جدائی کا نام ہے جسے اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

دیگر مذاہب کے برعکس اسلام صرف ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل دین اور نظام زندگی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی ایسی شے جو اس نظام کو نقصان پہنچاتی ہو، اس کا سدباب ضروری ہے۔

مسئلۂ ارتداد اور مرتد کی سزا

ارتداد کا مسئلہ کیا ہے؟ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران مدینے کے یہود نے جب دیکھا کہ جو شخص ایک دفعہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہے، پھر اس سے علیحدہ ہی نہیں ہوتا تو انہوں نے سوچا کوئی ایسی چال چلنی چاہئے جس سے اسلام کی دھاک اور ساکھ مجروح ہو جائے۔ چنانچہ بعض یہودی صبح اسلام لاتے اور شام کو مرتد ہو جاتے تاکہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کیا جا سکے۔

اسلام اگر محض ایک مذہب ہوتا تو مسلمانوں کے لئے ترک اسلام کے راستے کو کھلا رکھنے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا، لیکن اسلام تو درحقیقت ایک مکمل ریاستی نظام بھی ہے لہٰذا ارتداد کا فتنہ اسلامی ریاست کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے نہایت مؤثر ہتھیار ثابت ہوتا۔ چنانچہ اس فتنے کا سدباب کرنے کے لئے "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ" کا حکم جاری کر دیا گیا۔ پس اسلامی ریاست کی حدود میں کوئی مسلمان اگر مرتد ہو جاتا ہے تو وہ واجب القتل ہے۔

قتل مرتد کی سزا ان لوگوں کی سمجھ میں کیسے آئے جو مذہب اور ریاست کو جُدا سمجھتے ہیں، جبکہ اسلامی ریاست کی بنیاد ہی مذہب ہے۔ لہٰذا مذہب سے بغاوت درحقیقت اسلامی

ریاست سے بغاوت کے مترادف ہے۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے۔ اگر ریاست کے نظریہ ہی کو کمزور کر دیا جائے تو پھر خود ریاست ہی کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔

اسلام کا نظام حیات' اس کا سارا قانونی ڈھانچہ رسالت و نبوت محمدی ﷺ پر استوار ہے۔ ایک شخص بہت پکا موحد بھی ہو اور اس کے اخلاق بھی اچھے ہوں لیکن اگر وہ آپ ﷺ کی رسالت و نبوت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ عقیدۂ توحید کے باوجود غیر مسلم قرار پائے گا۔ کوئی شخص کتنا ہی متقی' عابد' زاہد اور پرہیزگار کیوں نہ ہو جب تک رسالت محمدی ﷺ کا قلادہ اس کی گردن میں نہیں ہو گا' وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

دین تو نام ہی محمد ﷺ کا ہے' شریعت کا سارا وجود ہی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسلام کا پورا نظام محمد ﷺ کی شخصیت کے گرد گھومتا ہے۔ اگر اس تعلق کو مجروح کر دیا جائے تو گویا اسلام کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

حضور ﷺ کے ساتھ ایک بندۂ مومن کے رشتے اور تعلق کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان پر ایمان لاؤ' ان کی اطاعت کلی کرو اور تمام انسانوں سے بڑھ کر انہیں محبوب سمجھو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اُس کے والد سے' اس کی اولاد سے' یہاں تک کہ تمام انسانوں سے۔ بدقسمتی سے آج ایمان کی یہ شرائط بھی امت کی عظیم اکثریت کے ذہنوں سے نکل چکی ہیں اور عمومی تصور یہ ہے کہ عید میلاد مناؤ' نعتیں پڑھو' جلسے کر لو' سیرت کانفرنسیں کر لو ـــــ مگر جہاں تک اتباع رسول' اطاعت رسولؐ اور محبت رسولؐ کا معاملہ ہے اس سے اُمت بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایک ہے محبت جس کا تعلق دل سے ہے جبکہ اطاعت کا تعلق عمل سے ہے جو نظر آتا ہے۔ ایک اور ضروری شے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام ہے جسے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف اسالیب میں بیان کیا گیا ہے۔ بقول شاعر ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اسلامی ریاست یا اسلامی معاشرے کی دو بنیادیں ہیں' ایک قانونی اور دوسری جذباتی۔ قانونی بنیاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے سرتابی نہ کی جائے' ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ مسلمان فرد ہو یا ریاست دونوں قرآن و سنت کے دائرے کے اندر اندر آزاد ہیں' لیکن انہیں ان حدود سے تجاوز کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ حضور ﷺ کا ادب و احترام اسلام کے نظام معاشرت اور اسلامی تہذیب میں یک رنگی اور تسلسل کا ضامن ہے۔ اسلامی معاشرے کے استحکام کے لئے ایک ستون اگر دستوری و قانونی فراہم کرتا ہے تو دوسرا ستون حضور ﷺ سے جذباتی محبت اور آپ کا اتباع ہے۔ اگر حضور ﷺ کا ادب و احترام اور آپ کی اتباع کا جذبہ کمزور پڑ جائے تو اسلامی تہذیب کی بنیاد ختم ہو کر رہ جائے گی۔

اکبر کے وضع کردہ دین الٰہی کے اندر بھی یہی فتنہ مضمر تھا۔ اُس وقت یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا کہ دین کی اصل توحید ہی ہے' رسالت وغیرہ کی چنداں اہمیت نہیں ہے۔ چنانچہ اس سے اُمت محمد ﷺ کا تشخص ختم ہو رہا تھا۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لئے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہوئے۔ بقول اقبال ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

شیخ احمد سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب میں اتباع سنت پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر توہین رسالتؐ کا قانون موجود نہ ہو تو اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کو موقع مل جائے گا کہ وہ ہماری معاشرتی اور ملی زندگی کے جذباتی مرکز و محور کو منہدم کر دیں۔ اس سے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم نے "ابلیس کا پیغام اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" بایں الفاظ نقل کیا ہے ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

قادیانی فتنے کی سرکوبی کا اصل ذریعہ

غیر مسلم قرار دیئے جانے کے باوجود قادیانی فتنے کا پوری طرح سدباب نہیں ہو سکا اور یہ فتنہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ خفیہ طور پر اب پاکستان میں بھی مسلمانوں کو قادیانی بنایا جا رہا ہے۔ پوری دُنیا میں قادیانی اُمت کا بول بالا ہے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ کے خطبات سیٹلائٹ پر نشر ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم پاکستان میں "half way" تو چلے گئے کہ ہم نے انہیں غیر مسلم قرار دے دیا مگر اس فتنے کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے "قتل مرتد" کی سزا نافذ نہیں کی۔ قتل مرتد کے قانون کے نفاذ کے بعد جو مسلمان قادیانی ہو گا تو وہ مرتد شمار کیا جائے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ جب تک "قتل مرتد" کی سزا کا نفاذ نہیں کیا جاتا' اُس وقت تک قادیانی فتنے کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم قرار دیئے جانے کے بعد قادیانی ٹولے نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور پوری دُنیا میں انسانی حقوق کے حوالے سے انہوں نے اپنے لئے ہمدردی حاصل کر رکھی ہے کہ پاکستان میں ہمیں مسلم تسلیم نہیں کیا جاتا' ہمیں کلمہ پڑھنے سے روکا جاتا ہے' ہمیں مساجد کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے کئی مواقع پر مجلس عمل ختم نبوت کے ذمہ دار حضرات سے بھی کہا ہے کہ جب تک آپ "قتل مرتد" کا قانون منظور کرانے کے لئے مورچہ بند نہیں ہوں گے اُس وقت تک قادیانی فتنے کو روکنا ناممکن ہے۔

جناب اسماعیل قریشی پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کی کوششوں سے ملکی قانون میں توہین رسالتؐ کے جرم کے لئے سزائے موت (Capital Punishment) نافذ کروا دی۔ تو کیا توہین رسالت کے قانون کی طرح پاکستان میں "قتل مرتد" کی سزا نافذ نہیں ہو سکتی؟۔ غالباً مجلس عمل ختم نبوت بھی عالمی فضا اور رجحان کے زیر اثر "قتل مرتد" کی سزا کی نفاذ کا مطالبہ کرنے کی جرأت نہیں کر رہی۔

پاکستان میں قانون ناموس رسالت کی جو مخالفت ہو رہی ہے وہ بظاہر عیسائی کر رہے ہیں مگر حقیقت میں اس کے پس پردہ قادیانی لابی سرگرم عمل ہے۔ عالمی سطح پر بھی قادیانی متحرک ہیں۔ قادیانی عیسائیت کے آلہ کار بن چکے ہیں اور عیسائیت یہود کی آلہ کار ہے۔ گویا توہین رسالتؐ کے قانون کی مخالفت اصل میں یہودی سازش ہے۔ یہود نے عالم عیسائیت کو مفتوح کر لیا ہے اور برطانیہ' فرانس' امریکہ کی سرپرستی کی وجہ سے دنیا میں یہود کا ڈنکا بج رہا ہے۔ قادیانیوں کو یہ تشویش لاحق ہے کہ اگر پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی جانب مزید پیش رفت ہوئی تو یہاں "قتل مرتد" کا قانون بھی نافذ ہو جائے گا۔ گویا پاکستان میں نفاذ اسلام قادیانیوں کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

قادیانی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ آنجنابؑ نے کشمیر میں آکر وفات پائی ہے اور کشمیر میں ان کی قبر بھی موجود ہے۔ گویا قادیانی حضرت مسیحؑ کے نہ تو رفع سماوی کے قائل ہیں اور نہ ان کی دوبارہ آمد کے۔ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی اس بات کا مدعی تھا کہ خود میں مثیل مسیح ہوں۔ مرزا قادیانی نے کہا کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ نہیں آئیں گے' بلکہ ان کی سی صفات رکھنے والا شخص آئے گا اور وہ میں ہی ہوں۔ اس حوالے سے دیکھئے کہ عقائد کے ضمن میں قادیانیوں کا عیسائیوں سے کس قدر بُعد ہے جبکہ اس حوالے سے مسلمانوں کا عیسائیوں سے بہت زیادہ قرب ہے۔ اگر اس کے باوجود وہ قادیانیوں کے آلۂ کار بنیں تو یہ بہت افسوسناک بات ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین ○○

اہم اعلان

قرآن حکیم کے منتخب نصاب (مشتمل بر ۴۴ کیسٹ) کی دوبارہ مکمل' واضح اور ہائی فائی اسٹیریو ریکارڈنگ تیار کر لی گئی۔ یہ edited سیٹ مکتبہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو حضرات دوبارہ ریکارڈنگ کرانا چاہتے ہیں وہ بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501

"فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے' دل یا شکم!"

وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے نام

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خط

جو ۱۳ جولائی کو وزیراعظم کی رہائش گاہ پر اُن سے ملاقات کے موقع پر پیش کیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی میاں محمد نواز شریف صاحب' وزیراعظم پاکستان

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضٰی!

(اللہ ہمیں اور آپ کو ہر اس کام کی توفیق عطا فرمائے جو اسے پسند اور محبوب ہو!)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ملاقات کا موقع عطا فرمایا۔ اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس ملاقات کو میرے لئے' آپ کے لئے' اور ملک وملت کے لئے مفید بنائے' آمین!

امابعد ـــــ آپ کی خدمت میں حاضری کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ اولاً آپ سے دریافت کروں کہ جب آپ گزشتہ سال دو مرتبہ اپنے والد ماجد اور دونوں برادران کے ساتھ میری قرآنی خانقاہ میں تشریف لائے' اور پھر ایک بار میں ایک وفد کے ساتھ پرائم منسٹر ہاؤس اسلام آباد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' تو ان مواقع پر آپ نے دستور پاکستان میں قرآن وسنت کی بلا استثناء بالادستی کے لئے ضروری ترامیم اور سود کے انسداد کے ضمن میں جن عزائم کا اظہار فرمایا تھا ان کی تعمیل میں تا حال تاخیر کیوں ہوئی؟ ـــــ

اور ثانیاً آپ سے پھر دستہ بستہ درخواست کروں کہ اب بلا تاخیر ان دونوں کاموں کو سرانجام دے کر عظیم "دینی دھماکہ" کر گزریئے اور اس میں کسی لیت و لعل کو راہ نہ پانے دیجئے!

"ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا ۔ اور درویش کی صدا کیا ہے!"

اس ضمن میں دستوری ترامیم کا ایک مسودہ ہم نے بھی آپ کی خدمت میں اسلام آباد کی ملاقات کے موقع پر پیش کیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کے پہلے دور وزارت عظمیٰ کے دوران' مولانا عبدالستار نیازی صاحب نے جو اس وقت وفاقی وزیر امور مذہبی تھے' ایک نفاذ شریعت گروپ قائم کیا تھا اور اس نے بھی دستوری ترامیم کا ایک مفصل خاکہ مرتب کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ ان چیزوں کی موجودگی میں اب کوئی وقت باقی نہیں رہی ہے۔ آپ نے اسلام آباد والی ملاقات میں دو مرتبہ راجہ ظفر الحق صاحب سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ "راجہ صاحب! پھر دستوری ترامیم کی تیاری کیجئے!" براہ کرم اب اس میں مزید تاخیر نہ کریں اور راجہ صاحب ہی کے ذمہ یہ کام لگا دیں' وہ چاہیں تو لاہور کے جناب محمد اسمٰعیل قریشی ایڈووکیٹ اور کراچی سے چیف جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کا تعاون حاصل کر سکتے ہیں' پھر موجودہ صدر مملکت عالی جناب محمد رفیق تاڑر صاحب اور جسٹس خلیل الرحمٰن صاحب بھی تعاون اور نگرانی فرما سکتے ہیں!

اسی طرح انسداد سود کے لئے جو کمیٹی آپ نے راجہ صاحب ہی کی سرکردگی میں بنائی تھی وہ عرصہ ہوا کہ اپنا کام کر کے رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کر چکی ہے۔ قرآن اکیڈمی کی ملاقات میں آپ کے والد ماجد مدظلہ' نے زور دے کر فرمایا تھا کہ "انسداد سود کا کام ایک سال میں مکمل کیا جائے"۔ اب تو ڈیڑھ سال ہونے کو آیا ہے۔ خدا کے لئے اس معاملے میں بھی جرأت ایمانی اور ہمت مردانہ سے کام لیجئے۔ اور کم از کم اس رپورٹ کی Implementation کا تو فوری طور پر آغاز فرما دیجئے۔ اللہ آپ کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے!

ظاہری اعتبار سے تو مجھے آپ سے اس وقت یہی دو باتیں کہنی ہیں جن کے ضمن میں

کچھ مزید گزارشات میں زبانی عرض کردوں گا۔

لیکن زیادہ گہرائی میں اور خالص ذاتی سطح پر مجھے آپ سے ایک بات اور عرض کرنی ہے جس کے لئے پہلے ایک تمہید ضروری ہے۔

وہ تمہید یہ ہے کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں' قائداعظم اور خان لیاقت علی خان کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو اشخاص کو عظیم مواقع عطا فرمائے لیکن وہ دونوں ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کا حق ادا کرنے میں بری طرح ناکام رہے : ایک ذوالفقار علی بھٹو جسے موقع ملا تھا کہ وہ اس ملک کا کم از کم ماؤزے تنگ بن سکتا تھا جس سے ملک سے جاگیرداری اور بڑی زمینداریوں کی لعنت دور ہو جاتی اور قوم اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتے' لیکن چونکہ وہ خود بڑا جاگیردار تھا اور اس جاگیرداری کی کھال سے باہر نہ آ سکا' لہٰذا خود بھی ناکام ہوا اور ملک و ملت کے لئے بھی مجموعی طور پر شدید نقصان کا باعث بنا ـــــ دوسری شخصیت مرحوم ضیاء الحق صاحب کی تھی' جنہیں قدرت نے موقع دیا تھا کہ وہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ جو بالاتفاق پہلے مجدد ملت اسلامی تھے' کا مقام و مرتبہ حاصل کر لیتے لیکن انہوں نے بھی بعض Half hearted بلکہ Quarter hearted قدم تو اٹھائے لیکن کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔

میرے نزدیک اب اس سلسلے کی تیسری شخصیت آپ ہیں! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک جانب تو اندرون ملک عظیم مینڈیٹ دلوا دیا۔ اور دوسری جانب بھارت کے جوہری دھماکوں کے جواب میں مجبوراً دھماکے کرا کے یکدم پورے عالم اسلام کی قیادت کا منصب عطا کر دیا۔ اب صورت یہ ہے کہ " یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے۔ پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!" کے مصداق یہ کلی طور پر آپ کی ہمت و عزیمت کا امتحان ہے کہ آپ اس عظیم مقام اور مرتبہ کا حق ادا کرتے ہیں یا نہیں!

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ نہ صرف قرآن حکیم اور

احادیث نبویہ (ﷺ) بلکہ کتب سابقہ (یعنی تورات اور انجیل) اور سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود اور موجودہ امت مسلمہ یعنی امت محمد ﷺ کی تاریخ کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یہود کے آخری خاتمے اور اسلام کے عالمی غلبے کا دور زیادہ دور نہیں ہے' اور اس کے ضمن میں مشیت اور تدبیر خداوندی نے پاکستان کو خاص رول عطا کیا ہے ـــــ اور اس وقت عالمی حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جن پیشینگوئیوں کا ذکر احادیث میں ہے ان کے لئے بین الاقوامی سطح پر سٹیج تیار ہو چکا ہے۔ (اس موضوع پر اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کی کسی مخصوص نشست میں' جس میں آپ کے والد ماجد مدظلہ بھی موجود ہوں حاضر ہو کر تفاصیل بیان کر سکتا ہوں! فی الحال اپنی ایک تالیف حاضر خدمت کر رہا ہوں۔)

اس تمہید کی ایک تیسری جہت یہ ہے کہ پاکستان اس وقت جس تشویشناک بلکہ خوفناک صورت حال سے دوچار ہے اس کے پیش نظر مستقبل قریب کے حالات مندرجہ ذیل Scenarios میں سے کوئی سی صورت اختیار کر سکتے ہیں :

۱۔ ایک یہ کہ امریکہ ہمیں مالی اعتبار سے پوری طرح ڈوبنے نہ دے بلکہ تھوڑی تھوڑی مدد کے ذریعے زندہ رکھے۔ البتہ اس کے عوض ہم سے اپنے حسب دلخواہ فیصلہ کرانے کی کوشش کرے جن میں جوہری پروگرام کا خاتمہ یا انجماد اور کشمیر کے مسئلے کا کوئی امریکہ اور بھارت اور بھارت کے مابین متفق علیہ حل کے علاوہ بھارت سے کھلی تجارت شامل ہوں گے ـــــ اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ان مسائل پر پاکستان کے عوام بالخصوص پنجاب (جو آپ کی سب سے بڑی طاقت ہے!) کے عوام کس قدر حساس واقع ہوئے ہیں' پھر اپوزیشن میں متعدد قوتیں ایسی موجود ہیں جو اس صورت حال کو Exploit کر سکتی ہیں۔ الغرض یہ کوئی اچھا سیناریو نہیں ہے!

۲۔ دوسرے یہ کہ امریکہ ہماری مدد کو بالکل نہ آئے' یا ہم اس کی شرائط کو قبول نہ کر سکیں اور ملک میں مالیاتی بحران کسی انارکی' یا Chaos کی شکل اختیار کر لے' جس سے انقلاب کا نعرہ لگانے والی قوتیں فائدہ اٹھائیں۔ اس صورت میں یہ

"Free for all" والی بات ہوگی۔ جس کے نتیجے کے بارے میں پیشگی کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ اور خیر سے زیادہ شر کا اندیشہ ہے!

۳۔ ایک تیسری رائے بھی ہے جو بھارت اور پاکستان کے جوہری دھماکوں سے بھی قبل لندن سے شائع ہونے والے ایک جریدے (Impact) میں شائع ہوئی تھی —— اور وہ یہ کہ امریکہ آپ سے بھی اسی طرح Disillusioned ہو چکا ہے جیسے بے نظیر سے —— اور جنرل جہانگیر کرامت کو دورۂ امریکہ کی دعوت اور وہاں ان کو بہت غیر معمولی Protocol دیا جانا اسی قسم کی بات ہے جیسے ۱۹۵۷ء میں جنرل محمد ایوب خان کو امریکہ بلا کر ان کی پیٹھ تھپکی گئی تھی جس کے نتیجے میں ۵۶ء کے دستور کا دستوریہ سمیت بستر لپیٹ دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم! (آج کے "جنگ" میں ارشاد احمد حقانی صاحب کا کالم قابل توجہ ہے!)

۴۔ ایک چوتھی اور نہایت تابناک اور روشن صورت یہ ہے کہ آپ خود ایک عظیم انقلابی لیڈر کا رول اختیار کر کے سامنے آئیں —— کشکول گدائی کو واقعتاً اور کلیتاً توڑ کر پھینک دیں، اولاً سود کی اقساط، اور بالآخر کل قرضوں کی ادائیگی سے انکار کر دیں، اور Sanctions کے نتیجے میں جو سختیاں آئیں انہیں برداشت کرنے کے لئے ایک انقلابی جذبہ پاکستان کے عوام کے اندر پیدا کریں۔ یہ چوتھی صورت مشکل اور ایثار طلب تو ہے لیکن ناممکن نہیں!

لیکن پاکستان کے عوام میں وہ انقلابی جذبہ پیدا کرنے کے لئے جس سے ایثار اور قربانی کی نئی داستانیں رقم ہو سکیں دو چیزیں بالکل ناگزیر ہیں :

۱۔ ایک یہ کہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے لئے کم از کم دستور کی سطح پر جملہ تقاضے بتمام و کمال پورے کر دیئے جائیں —— جس سے اسلامی قانون کی تدوین اور تنفیذ کا کام سہولت کے ساتھ اور تدریجاً ہوتا چلا جائے۔ پاکستان کے موجودہ دستور میں پورا اسلام بھی موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے چور دروازے بھی ہیں جن کی بنا پر وہ مؤثر طور پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے پاکستان کا موجودہ دستور

منافقت کا پلندہ ہے۔ جس کی تطہیر لازمی ہے۔ جس کے ضمن میں آپ سے گفتگو ئیں بھی ہو چکی ہیں اور اس عرضداشت کے آغاز میں بھی تذکرہ ہو چکا ہے۔

اس کے ساتھ پاکستانی معیشت کی تطہیر کے لئے بھی دو اطراف سے کام کرنے کی ضرورت ہے' ایک انسداد سود' اور دوسرے جاگیرداری اور زمینداری کا خاتمہ۔ پہلے کام کے سلسلے میں راجہ ظفرالحق صاحب کی تیار کردہ سفارشات پر عمل سے آغاز کیا جا سکتا ہے' دوسرے کام کا آپ نے اپنے ایجنڈے میں اعلان کیا ہے' لیکن اس کے لئے خالص دینی اساس ضروری ہے اور وہ دو میں سے ایک ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں کے نزدیک مزارعت مطلقاً حرام ہے' لہٰذا صرف خود کاشت رقبے لوگوں کے پاس رہ سکتے ہیں' اور دوسری اور زیادہ انقلابی بات یہ کہ حضرت عمرؓ کے اجتہاد اور اس پر اجماع کی رُو سے پاکستان کی اراضی افراد کی ملکیت یعنی "عشری" نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت یعنی "خراجی" ہیں لہٰذا ملک و ملت کی مصلحت کے پیش نظر بالکل نیا بندوبست اراضی کیا جا سکتا ہے جس کی رو سے کاشتکار براہ راست بیت المال کو خراج ادا کرے گا!

بہرحال یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ پاکستانی قوم میں انقلابی جذبہ اور ایثار اور قربانی کا مادہ صرف دین و مذہب کے حوالے سے پیدا کیا جا سکتا ہے اور اس کے لئے مندرجہ بالا اقدامات لازمی ہیں!

۱۔ پاکستان کے عوام میں انقلابی جذبہ اور ایثار و قربانی کا مادہ پیدا کرنے کی دوسری شرط لازم یہ ہے کہ آپ ایک روشن مثال بن کر سامنے آئیں! یعنی جس طرح ذوالفقار علی بھٹو جاگیرداری کی کھال میں بند ہو کر رہ گیا تھا' اسی طرح آپ بھی سرمایہ داری اور صنعت کاری کے حصار میں بند نہ ہو جائیں۔ بلکہ اس خول سے اس طرح باہر آ جائیں کہ آپ کا یہ ذاتی انقلاب روز روشن کی طرح عیاں ہو! حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ بھی خلافت کی ذمہ داری سے قبل نہایت خوش شکل' خوش پوش اور خوش خوراک انسان تھے' اور شہزادوں کی طرح ناز و نعم میں پلے تھے۔ لیکن خلافت کا بوجھ کندھے پر آنے کے بعد ان کی زندگی میں جو انقلاب آیا وہ ہماری تاریخ کا ایک

نہایت روشن اور تابناک باب ہے۔ اور اس وقت دست قدرت نے اپنی خصوصی مشیت و حکمت کے تحت آپ کو داخلی اور بین الاسلامی و عالمی سطح پر جس مقام پر لا کھڑا کر دیا ہے' نجی اور ذاتی سطح پر آپ کی اور آپ کے خاندان کی کیفیت میں یہ انقلاب بین الاقوامی ہی نہیں عالمی اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ آپ کا یہ انقلاب بالکل واضح اور Transparent ہو۔

آپ کے اور آپ کے خاندان کے مالی حالات کی تفاصیل ظاہر ہے کہ اس ملک کے عوام کے علم میں تو نہیں ہو سکتیں۔ لیکن ملک کے جن صاحب ثروت لوگوں سے آپ تعاون اور ایثار کی اپیلیں کر رہے ہیں' ظاہر ہے کہ ان کی نگاہوں سے تو آپ کے حالات پوشیدہ نہیں ہیں۔ لہٰذا جب تک آپ اپنا سب کچھ ملک کے حوالے کر کے فقر محمدیؐ کی روش اختیار نہیں کریں گے اور اپنے شکم پر دو پتھر بندھے ہوئے لوگوں کو نہیں دکھا سکیں گے' کوئی دوسرا شخص بھی حقیقی ایثار اور قربانی کے لئے تیار نہیں ہو گا! میں آپ سے یہ باتیں یہ جانتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ یہ کام آسان نہیں' بہت مشکل ہے' لیکن اگر نبی اکرمؐ کے وصال کے لگ بھگ نصف صدی بعد عمر ابن عبدالعزیزؒ جیسی شخصیت پیدا ہو سکتی تھی اور بہت بعد کے زمانے میں نورالدین زنگیؒ اور صلاح الدین ایوبیؒ جیسے درویش حکمران شرق اوسط میں اور ناصرالدین محمودؒ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ جیسے بادشاہ ہندوستان میں پیدا ہو سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اس کی ایک تازہ مثال پیدا نہ کر سکیں —— جبکہ صاف نظر آ رہا ہو کہ اگر آپ یہ مرحلہ طے کریں تو ملک و ملت اور دین و مذہب کا نہایت شاندار مستقبل سامنے ہو گا —— اور اگر خدانخواستہ نہ کر سکیں تو جو تینوں Scenarios میں نے بیان کئے ان میں سے کسی سے بھی خیر کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی!

اب اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو اس چوتھے ممکنہ راستے کے لئے کھول دے تو میں نہایت ادب سے اور ڈرتے ڈرتے عرض کروں گا کہ ان حقائق کے پیش نظر کہ حکومت اور اقتدار بھی آنی جانی چیزیں ہیں' پھر یہ دنیا اور مافیہا ہی نہیں کل کائنات فانی ہے اور

حیات دنیوی سے زیادہ ناقابل اعتبار شے اور کوئی نہیں' آپ ہمت کریں اور اللہ کا نام لے کر :

۱۔ رائیونڈ فارم اور اس کے جملہ متعلقات کو قوم کے حوالے کر کے اپنی ماڈل ٹاؤن کی رہائش گاہوں پر اکتفا کریں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ خود یہ رہائش گاہیں بھی معمولی نہیں ہیں بلکہ اس ملک میں شاید چند سو لوگ ہی ایسے ہوں جن کے پاس ایسی رہائش گاہیں موجود ہوں۔

۲۔ اگر بیرون ملک آپ کی اور آپ کے خاندان کی کوئی جائداد ہے تو اسے بھی بیچ کر رقم خود انحصاری فنڈ میں داخل کر دیں —— اور اگر کوئی سرمایہ وہاں جمع ہے تو اسے بھی واپس لا کر اسی فنڈ میں شامل کر دیں۔

۳۔ اپنے خاندان کے پاس صرف وہی انڈسٹریز رہنے دیں جن کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو اور نہ صرف یہ کہ حساب بے باق ہو بلکہ دیگر جملہ معاملات بھی شیشے کی طرح صاف ہوں —— اور آئندہ اپنے کاروبار میں ہرگز کسی توسیع کی صورت اختیار نہ کریں۔

۴۔ اپنے تمام ساتھیوں اور دوستوں سے تو ظاہر ہے کہ آپ اس درجہ قربانی کا مطالبہ نہیں کر سکتے لیکن اب سب کے معاملات کو Transparent ہونا ضروری ہے۔ حال ہی میں ایک بہت بڑے منی چینجر اور سینیٹر سیف الرحمٰن صاحب کے بھائی کے جو معاملے زبان زد خواص و عوام ہو گئے ہیں ان سے آپ کی Credibility متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی!

میں نے آج سے بارہ تیرہ سال قبل جبکہ پاکستان کو قائم ہوئے قمری حساب سے چالیس برس ہو گئے تھے "استحکام پاکستان" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی (اس کا بھی ایک نسخہ حاضر خدمت ہے!) جس میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اب تک پاکستان کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں رہی ہے جو انگریزی دور میں پیدا ہونے کے ناتے غلامی کا داغ اٹھائے ہوئے تھے اب ان شاء اللہ پاکستان کی وہ نسل سامنے آئے گی جس نے دنیا میں پہلا سانس بھی آزادی کی فضا میں لیا ہے' لہٰذا اُمید ہے کہ اب حالات میں تبدیلی آئے گی۔

میری یہ اُمید فوری طور پر تو پوری نہ ہوئی لیکن اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پورے ہونے کا وقت آگیا ہے ـــــ اب یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ مرحلہ کس کے ہاتھوں سر ہوتا ہے! تاہم جو مقام اور مرتبہ آپ کو اور آپ کے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے فروری ۹۷ء کے عام انتخابات کے ذریعے عطا فرمایا ہے ـــــ اور جو مرتبہ و مقام پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ایٹمی دھماکوں کے ذریعے عطا کر دیا ہے' ان کے پیش نظر آپ کی خدمت میں یہ گزارشات پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ آگے

ع "فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے' دل یا شکم!"

میری پوری زندگی اس پر گواہ ہے کہ میں نے نہ کبھی امراء اور صاحب ثروت لوگوں کے گھروں پر حاضری دی ہے' نہ ہی سرکار دربار کے کبھی چکر لگائے ہیں' سوائے ۸۲ء کے ان دو ماہ کے جبکہ میں نے مرحوم ضیاء الحق صاحب کی دعوت پر ان کی شوریٰ میں شرکت اختیار کر لی تھی ـــــ تاہم اگر میرے اس عریضے کے بعد آپ کسی معاملے کی وضاحت کے لئے مجھے طلب فرمائیں تو جب بھی حکم دیں گے سر کے بل حاضر ہو جاؤں گا۔

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین!

فقط والسلام

ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

کے تازہ ترین دُروس اور خطابات بذریعہ

انٹرنیٹ

پوری دُنیا میں اِس پتہ پر سنے جا سکتے ہیں

www.tanzeem.org.pk

المعلن : ناظم شعبہ سمع وبصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

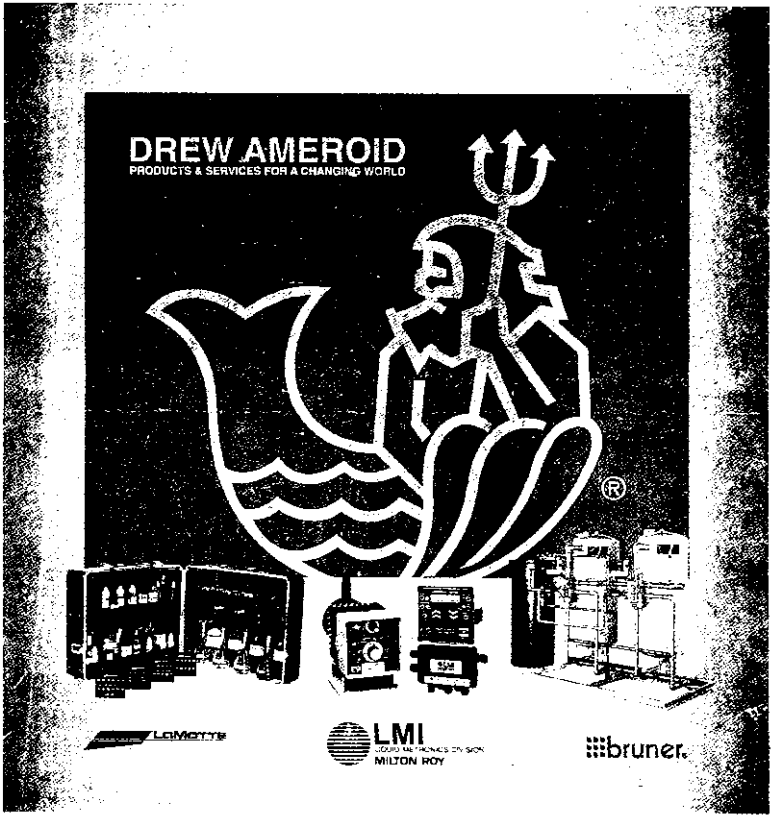

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.
THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

تصادم کا آخری مرحلہ
مسلح کشمکش
یعنی
قتال فی سبیل اللّٰہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن)

ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لے جا کر حضور ﷺ نے چھ ماہ داخلی استحکام میں لگائے اور اس کے بعد رمضان ۱ھ میں مہمات بھیجنے کا اقدام فرمایا۔ غزوۂ بدر رمضان ۲ھ میں ہوا ہے۔ اس سے قبل ڈیڑھ سال کے اندر حضور ﷺ نے آٹھ مہمات بھیجی تھیں، جن میں ایک غزوۂ ذوالعشیرہ بہت اہم ہے اور دوسرا وادیٔ نخلہ کا فیصلہ کن واقعہ۔ یہ دونوں واقعات غزوۂ بدر کا اصل سبب بنے ہیں۔ غزوۂ بدر سے حضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد کا اندرون عرب آخری اور چھٹا مرحلہ یعنی مسلح تصادم (Armed conflict) شروع ہوا ہے۔

مذکورہ بالا دو واقعات کی وجہ سے مکّہ میں Hawks کی بن آئی اور ایک ہزار جنگجوؤں کا لشکر کیل کانٹے سے لیس ہو کر نکل کھڑا ہوا۔ ابوسفیان کی عدم موجودگی میں قریش کی سرداری عتبہ بن ربیعہ کے پاس تھی، لہٰذا اس لشکر کا سپہ سالار بھی وہی تھا۔ ابوجہل، اُمیہ بن خلف، نضر بن حارث، عتبہ بن ابی معیط، شیبہ بن عتبہ اور بہت سے وہ

لوگ جو اہل ایمان کے خون کے پیاسے تھے' سب کے سب نکلے۔ اس لشکر کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ سرداران قریش میں سے سوائے ابولہب کے اور کوئی پیچھے نہیں رہا۔ ابولہب بزدل انسان تھا۔ اس نے اپنی جگہ ایک Mercenary یعنی کرائے کا فوجی بھیج دیا کہ میری طرف سے یہ لڑے گا۔ اس شخص میں انسانیت کا کوئی جوہر نہیں تھا' وہ بخیل اور بزدل شخص تھا' اس کی اپنے معاشرہ کے اندر کوئی عزت نہیں تھی' لوگ اسے غزال زریں کا چور سمجھتے تھے۔ چونکہ یہ کعبہ کے بیت المال کا متولی تھا اور وہاں سے چڑھاوے کے طور پر آیا ہوا سونے کا ہرن چوری ہو گیا تھا تو یہ اس غزال زرین کا چور مشہور ہو گیا تھا۔ پس ابولہب کے سوا قریش کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں بچا کہ جس کے تمام سربرآوردہ لوگ اس لشکر میں شامل نہ ہوئے ہوں۔ البتہ ابوسفیان رہ گئے تھے جو قافلہ کے ساتھ تھے۔ ان کو بھی ابوجہل نے پیغام بھیج دیا کہ اپنی نفری اور سازوسامان کے ساتھ ہم سے آ کر مل جاؤ۔ لیکن ابوسفیان دھیمے مزاج کے حقیقت پسند انسان تھے' محض جذباتی انسان نہیں تھے۔ انہوں نے دو احتیاطیں کیں۔ ایک طرف مدد کے لئے مکّہ پیغام بھیج دیا' اور دوسری طرف جب ان کو معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کچھ لوگوں کے ساتھ قافلہ کا قصد فرما رہے ہیں تو انہوں نے اپنا راستہ بدل لیا۔ چنانچہ وہ بدر کی طرف آئے ہی نہیں' بلکہ بحر احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہو کر نکل گئے۔ انہیں ابوجہل کا پیغام مل بھی گیا تھا کہ لشکر کے ساتھ آ کر شامل ہو جاؤ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ نہیں' میں براہ راست مکّہ جا رہا ہوں۔

غزوۂ بدر سے قبل مشاورت

صحیح و معتبر ترین روایات کے مطابق مدینہ میں حضور ﷺ نے کسی جنگ کا اعلان کیا نہ تیاری فرمائی۔ بلکہ پیش نظر صرف یہ تھا کہ جو قافلہ آ رہا ہے اسے روکنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ بغیر کسی خاص اہتمام اور تیاری کے نکل کھڑے ہوئے۔ یاد رہے کہ غزوۂ ذوالعشیرہ میں شامل ڈیڑھ سو افراد تمام مہاجرین ہی تھے' جبکہ غزوۂ بدر میں صرف ساٹھ یا تراسی (۸۳) مہاجرین ساتھ تھے۔ تعداد کے متعلق دونوں روایات موجود ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے پیش نظر جنگ کا پروگرام ہوتا تو آپؐ خصوصی انتظام فرماتے اور تعداد

زیادہ ہوتی۔ پھر یہ پہلی بار ہوا کہ انصاری صحابہ ؓ بھی ساتھ نکلے' بلکہ تعداد میں وہ زیادہ تھے۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں بھی مشورہ کیا تھا اور پھر مدینہ کے باہر بھی ایک مجلس مشاورت منعقد فرمائی' لیکن مدینہ کی مشاورت میں جنگ کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا لہٰذا آپؐ نے کسی سے تاکید اً نہیں فرمایا کہ ساتھ چلو۔ انصارؓ بھی خود اپنی مرضی سے ساتھ ہو گئے تھے' حضورؐ کی طرف سے کوئی خصوصی ترغیب نہیں تھی۔

آپؐ جب مدینہ سے کچھ دور پہنچے تو آپؐ کو معلوم ہوا کہ مکّہ سے ایک ہزار افراد پر مشتمل کیل کانٹے سے لیس لشکر سوئے مدینہ نکل پڑا ہے اور منزل پر منزل طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ اب یہ دو طرفہ معاملہ ہو گیا کہ شام کی طرف سے قافلہ آ رہا ہے اور جنوب سے لشکر چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ اب یہاں مدینہ سے باہر مشاورت ہوئی جو اہم ترین مشاورت ہے۔ قرآن مجید ایسے معاملات کو عموماً اختصار سے بیان کرتا ہے' لہٰذا سورۃ الانفال کی آیات کے بین السطور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حضور ﷺ نے ازراہ مشورہ ہی یہ بات پیش کی ہو گی کہ "مسلمانو! ایک قافلہ شمال سے آ رہا ہے جس کے ساتھ صرف تیس یا پچاس محافظ ہیں' مال تجارت بہت ہے' اور ایک لشکر جنوب سے آ رہا ہے جو کیل کانٹے سے لیس ہے' اور اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک پر فتح کا وعدہ کر لیا ہے' بتاؤ کدھر چلیں؟ ان حالات میں کچھ لوگوں نے اپنی مخلصانہ سوچ کے مطابق تجویز کیا کہ حضورؐ قافلہ کی طرف چلئے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ تجویز پیش کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ قافلہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پچاس کی نفری ہے' وہ آسانی سے قابو میں آ جائیں گے' ساز و سامان تجارت بھی بہت ہاتھ لگے گا اور اسلحہ بھی' جو آئندہ جنگ میں کام آئے گا۔ لیکن حضور ﷺ جیسے کچھ منتظر سے تھے۔ تب لوگوں نے اندازہ کیا کہ منشائے مبارک کچھ اور ہے' حضور ﷺ کا اپنا رجحان طبع کچھ اور ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر مہاجرین نے تقریریں شروع کیں کہ حضورؐ! آپ ہم سے کیا پوچھتے ہیں' جو آپ کا ارادہ ہو' بسم اللہ کیجئے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے تقریر کی' لیکن حضور ﷺ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حضرت عمر ؓ نے بھی تقریر کی' لیکن حضور ﷺ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ محسوس ہو رہا تھا جیسے حضورؐ کسی خاص بات کے منتظر ہیں۔ حضرت مقداد بن اسود ؓ بھی مہاجرین

میں سے تھے' انہوں نے کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ "حضورؐ جو آپؐ کا ارادہ ہو بسم اللہ کیجئے۔ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر قیاس نہ کیجئے جنہوں نے اپنے نبی سے یہ کہہ دیا تھا کہ ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (پس آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں اور جنگ کریں' ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) آپؐ بسم اللہ کیجئے' ہم آپؐ کے ساتھ لڑیں گے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے ذریعہ آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمادے"۔ لیکن حضور ﷺ پھر بھی کچھ انتظار کی کیفیت میں تھے۔

اب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ حضورؐ کا روئے سخن دراصل انصار کی جانب ہے۔ روایات میں اختلاف ہے کہ یہ کون سے سعدؓ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مولانا شبلی مرحوم کا قول یہی ہے۔ ایک روایت ہے کہ یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ میرا رجحان غالب یہی ہے کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ انصارؓ کے دو قبیلے تھے' خزرج اور اوس ـــــ خزرج کا قبیلہ تعداد میں اوس سے تین گنا تھا اور اس کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ خزرج ہی کی ایک شاخ کا سردار تھا عبداللہ بن اُبی' جو منافق اعظم تھا' اور پورے قبیلہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ سردار کی طرف سے کسی رائے کا اظہار گویا پورے قبیلہ کی طرف سے اظہارِ رائے کے مترادف تھا۔ اَوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ بہرحال ان دونوں میں سے کسی نے کھڑے ہو کر تقریر کی کہ "حضورؐ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے...." اس خیال کی وجہ کیا تھی؟ یہ کہ حضورؐ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینہ (یثرب) تشریف لانے کی جو دعوت قبول کی تھی تو اس میں یہ طے ہوا تھا کہ "اگر قریش مدینہ پر حملہ کریں گے تو ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں"۔ گویا انصار اس معاہدہ کی رُو سے اس کے پابند نہیں تھے کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ قافلہ کا راستہ روکنا اور بات ہے اور باقاعدہ ایک لشکر جرار سے جا ٹکرانا یہ بالکل دوسری بات ہے۔ حضرت سعدؓ کو فوراً خیال آگیا کہ ہو نہ ہو حضور ﷺ ہماری تائید کے منتظر ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت سعدؓ نے اپنی تقریر میں کہا: "اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ" یعنی حضورؐ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپؐ کی

تصدیق کی ہے' ہم نے آپ کو اللہ کا رسول مانا ہے۔ (اُس وقت معاہدے میں کیا طے ہوا تھا' کیا نہیں ہوا تھا اِس وقت وہ بات غیر متعلق ہے) آپؐ جو بھی حکم دیں گے سر آنکھوں پر سِرْ بِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ.... "اے اللہ کے رسول (ﷺ) لے چلئے ہم کو جہاں بھی لے جانا ہو۔ خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں اپنی سواریاں سمندر میں ڈالنے کا حکم دیں گے تو ہم اپنی سواریاں ڈال دیں گے۔ اگر آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم برک الغماد تک جا پہنچیں گے (جو یمن کے آخری کونے کا شہر ہے) اور اس کے لئے ہم اپنی سواریوں کو دبلا کر دیں گے۔"
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک کھل اٹھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس جماعت میں حضور ﷺ کی بیعت ثانوی چیز تھی۔ اس کی اصل بنیاد تو یہ تھی کہ جو آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کرے وہ اس جماعت میں شامل ہے۔ جس نے بھی آپؐ کو اللہ کا رسول مانا ہے اُس پر آپؐ کی اطاعت لازم ہے۔ جیسے فرمایا گیا : ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ ﴾ (النساء : ٦٥) "سو تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں"۔ ایمان کہاں رہ جائے گا اگر حضورؐ کا حکم نہ مانیں؟ لہٰذا اُس وقت حضرت سعد بن عبادہ یا حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہما) نے بڑی پیاری' بڑی بنیادی اور اصولی بات کہی تھی کہ : "اِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ" اس بات سے حضور ﷺ کا چہرۂ انور کھل اُٹھا۔ گویا آپؐ انصار کی رائے معلوم کرنے کے منتظر تھے۔

اِس مشاورت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے پیش قدمی فرمائی اور پھر بدر پہنچ کر جب معلوم ہو گیا کہ قریش کا لشکر وادی کے دوسرے سرے تک پہنچ چکا ہے تو وہاں آپؐ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالنے کے لئے فرمایا۔ وہاں کا ایک واقعہ بھی بڑا اہم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض تجربہ کار حضرات نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر یہاں پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ وحی کی بنا پر ہے تو سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا' لیکن اگر یہ آپؐ کی ذاتی رائے ہے تو ہمیں یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ جنگی مہارت اور حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اِس مقام

کے بجائے دوسرے مقام پر کیمپ ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ نے ان حضرات کی رائے کو قبول فرمایا۔ جہاں تک خالص دُنیوی امور کی تدابیر اور تجرباتی علوم کا تعلق ہے، جس طرح تابیر النخل کا معاملہ تھا، تو ان میں آپؐ نے ہمیشہ ہمیش کے لئے امت کے لئے یہ ہدایت و تعلیم دے دی ہے کہ "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ" یعنی اپنے دنیوی معاملات میں تم بہتر جانتے ہو۔ پھر نبی اکرم ﷺ کا مزاج ہی ایسا تھا کہ آپؐ دنیوی تدابیر کے معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودنے کا فیصلہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر فرمایا تھا۔

حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ کی آخری کوشش

جنگ سے ایک رات قبل خبر پہنچ گئی کہ ابو سفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا ہے۔ اب مکّہ میں چہ میگوئی شروع ہوئی کہ اب جنگ کا کیا فائدہ ہے؟ ہم تو اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے آئے تھے۔ اس صورت حال سے Hawks کے مقابلہ میں Doves کے ہاتھ میں پھر ایک دلیل آگئی کہ ہمارا مقصد تو قافلہ کی حفاظت تھا، قافلہ بچ کر نکل گیا، پھر جنگ کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ قریش کے دو گھرانے بنو زہرہ اور بنو عدی یہ کہہ کر لشکر کو چھوڑ کر چلے گئے کہ اب ہمیں جنگ کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ حکیم بن حزام عتبہ کے پاس گئے جو اِس لشکر کا سپہ سالار تھا اور اس سے کہا: عتبہ! تم اِس وقت نیکی کا ایک ایسا کام کر سکتے ہو کہ تاریخ میں تمہارا نام لکھا جائے کہ تم نے بہت بڑا کام کیا۔ عتبہ کے استفسار پر انہوں نے وہی تجویز رکھی کہ ہمارا قافلہ بچ کر نکل چکا ہے، اب اس ہونے والی خونریزی کو تم روک سکتے ہو۔ عمرو بن عبداللہ الحضرمی کا باپ عبداللہ حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ اگر تم اس کی دیت یا خون بہا ادا کر دو تو وہ مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ قافلہ بچ کر نکل ہی چکا ہے۔ اس طرح جنگ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ عتبہ بن ربیعہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ بہت مناسب تجویز ہے۔ وہ خود اسی مزاج کا آدمی تھا۔ لیکن وہ جو Hawks کا سرغنہ ابوجہل موجود تھا، فی الاصل تو اس کو سمجھانا مقصود تھا۔ چنانچہ دونوں اس کے پاس گئے اور اسے قائل

کرنے کی کوشش کی۔ عتبہ نے کہا کہ دیکھو خونریزی کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ہمارا قافلہ بچ کر چلا گیا ہے' عمرو کا خون بہا میں ادا کر دیتا ہوں۔ اب ابو جہل کی چالاکی دیکھئے۔ اس نے ایک تو عتبہ کو بزدلی کا طعنہ دیا اور کہا کہ تم اپنے بیٹے کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئے ہو (یاد رہے کہ عتبہ کے بڑے بیٹے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے' جو سابقون الاولون میں سے تھے' جبکہ عتبہ کا دوسرا بیٹا اس کے ساتھ تھا)۔ ابو جہل نے مزید نمک پاشی کرتے ہوئے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ محبت پدری تمہیں بزدل بنا رہی ہے کہ بیٹا مد مقابل ہے' اسی لئے تم جنگ ٹالنا چاہتے ہو۔ اس کا عتبہ نے وہی جواب دیا جو ایسے موقع پر ایک باغیرت و باحمیت انسان کو دینا چاہئے۔ اُس نے کہا کل کا دن بتا دے گا کہ بزدل کون ہے!۔ وہ اس طعنہ کو برداشت نہیں کر سکا۔

ابو جہل نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عمرو بن عبداللہ الحضرمی کے بھائی کو بلایا اور اس سے کہا کہ دیکھو ہم تمہارے بھائی کے خون کا بدلہ کل لے سکتے ہیں' لیکن یہ صلح پسند لوگ آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جنگ نہ ہو۔ اُس شخص نے عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑے' بالکل عریاں ہو گیا اور شور مچا دیا: واعمرواہ' واعمرواہ۔ اسے قبائلی زندگی میں Blood Cry (خونی چیخ) کہتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ مشتعل کرنے والا نعرہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے لشکر میں آگ سی لگ گئی۔ الغرض مشرکین کے کیمپ میں آخری رات تک یہ کشمکش جاری رہی۔ لیکن بالآخر فیصلہ ہو گیا کہ بہرصورت کل جنگ ہو گی۔ چنانچہ دوسرے دن جنگ ہوئی۔

مشرکین کی دُعائیں

مشرکین مکہ میں سے دو اشخاص کی غزوۂ بدر شروع ہونے سے متصلاً قبل رات کی دُعائیں کتب تاریخ میں نقل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی شب کو دُعا کی۔ مشرکین میں سے ایک ابو جہل اور دوسرے نضر بن حارث کی دُعا تاریخ میں منقول ہوئی ہے۔ وہ دونوں مشرک تھے' اللہ کے منکر نہیں تھے۔ قرآن میں بار بار آتا ہے کہ جب تم پر کوئی مشکل وقت آپڑتا ہے تو تم اپنی دیویوں اور من گھڑت معبودوں کو بھول جاتے ہو اور

صرف اللہ کو پکارتے ہو۔ یہ دلیل آپ کو قرآن میں متعدد بار مل جائے گی۔ چنانچہ ابو جہل کی غزوۂ بدر کی رات کی دُعا منقول ہے : "اَللّٰھُمَّ اَقْطَعُنَا لِلرَّحِمِ وَاَتَانَا بِمَا لَا نَعْرِفُ فَاَحِنْہُ الْغَدَاۃَ" یعنی "اے اللہ (محمدؐ) ہم میں سب سے زیادہ رحمی رشتے کاٹنے والا ہے' اور ایسی چیز لے آیا ہے جس سے ہم واقف ہی نہیں ہیں۔ پس کل تو اسے ہلاک کر دیجئو!" یہ اس شخص کی پکار ہے جس کی گھٹی میں قوم پرستی' نسل پرستی' قبائل پرستی پڑی ہوئی تھی۔ جناب محمد ﷺ کے خلاف قریش کا سب سے بڑا الزام یہی تھا کہ انہوںؐ نے آکر اپنی دعوت و تبلیغ کی بدولت ہمیں تقسیم کر دیا' ہماری اولاد کو ہم سے جدا کر دیا' بھائیوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیا' ہماری جو قوت تھی وہ اس طور پر پراگندہ ہو گئی' ہمارے رحمی رشتے محمدؐ نے منقطع کر دیئے۔

اور نضر بن حارث کی جو دُعا منقول ہوئی ہے اس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے لوگ بھی تھے کہ جن کی شخصیتیں اس درجہ مسخ ہو چکی تھیں اور جن کی سوچ اس قدر غلط ہو چکی تھی کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم محمدؐ (ﷺ) کے ساتھیوں سے بہتر جماعت ہیں۔ اس کی دُعا منقول ہوئی ہے کہ : "اَللّٰھُمَّ انْصُرْ خَیْرَ الْحِزْبَیْنِ" یعنی یہ جو دو حزب بالمقابل آ گئے ہیں' اے اللہ! ان میں سے بہتر جماعت کی مدد فرمائیو۔ غور کیجئے اس مشکل گھڑی میں دونوں اَللّٰھُمَّ کہہ رہے ہیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضور ﷺ کی دُعا

دوسری طرف اسی رات کو حزب اللہ کے لشکر میں گھانس پھونس کی اس جھونپڑی میں جو آپؐ کے لئے بنائی گئی تھی' رحمۃؐ للعالمین' خاتم النبیّن' سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے طویل ترین سجدہ کیا' جس میں طویل ترین دُعا کی۔ اس دُعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اے اللہ! کل اگر یہ لوگ یہاں شہید ہو گئے تو پھر قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اور تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا' اب اس کو پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ایسا کیوں فرمایا؟ اس لئے کہ آپؐ آخری نبی اور رسول ہیں اور آپؐ کے بعد تا قیام قیامت کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں

مزید عرض کیا: بارِ الٰہا! میں نے اپنی پندرہ برس کی کمائی میدان میں لا کر ڈال دی ہے۔ اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ تلوار لئے پہرے پر کھڑے تھے جس وقت حضورؐ سربسجود تھے۔ (۱) جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ الفاظ سنے تو انہوں نے عرض کیا: "حسبُک حسبُک یارسول اللّٰہ" اے اللہ کے رسول! بس کیجئے' بس کیجئے' یقیناً اللہ آپؐ کی مدد فرمائے گا۔ اس پر حضور ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ "گویا اللہ کی طرف سے خوشخبری تھی کہ "اس جمعیت کو شکست ہو کر رہے گی اور یہ پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔"

سیرت نبویؐ سے متعلق بعض اہم نکات

بہرحال اس غزوۂ بدر سے انقلاب نبویؐ کا چھٹا اور آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کا آغاز ہوتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ Active Resistance کے مرحلہ میں اقدام حضور ﷺ کی جانب سے ہوا۔ لیکن پہلی باقاعدہ جنگ جو ہوئی ہے وہ غزوۂ بدر ہے۔ اس معاملہ میں اس بحث میں پڑنے کی بجائے کہ جنگ کس نے شروع کی' کس نے نہیں کی' آیا اسلام میں صرف دفاعی جنگ کی اجازت ہے یا جارحانہ جنگ یعنی خود حملہ میں پہل کرنا بھی درست ہے' غور طلب بات یہ ہے کہ جناب محمد ﷺ باطل کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے یا باطل کو Acknowledge اور تسلیم کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے؟ حق کبھی باطل کو تسلیم اور برداشت کر سکتا ہے؟ اس کی ایک ہی شکل ہو سکتی ہے کہ حق کے نام لیوا بے حمیت اور بے غیرت ہو گئے ہوں' ان کو زندگی زیادہ عزیز ہو گئی ہو تو وہ حق کو مغلوب دیکھ سکتے ہیں۔ ورنہ غیور' باحمیت' حق

---

(۱) اس موقع پر ایک بات یاد آ گئی۔ حضرت علی ؓ کے دورِ خلافت میں آنجنابؓ کے فرزندگان میں سے کسی نے آپؓ سے پوچھا کہ صحابہ کرام ؓ کی جماعت میں سب سے زیادہ شجاع' دلیر اور بہادر کون تھا؟ — سوالی کا خیال تھا کہ آنجنابؓ اپنا نام لیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ نے جواب دیا وہ شخص کہ جس کو نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر سے پہلے والی شب کو اپنی جھونپڑی پر پہرے کے لئے معین فرمایا تھا' یعنی ابوبکر صدیق ؓ۔ (مرتب)

کے ماننے والے اور حق کے علمبردار' باطل کا وجود کبھی گوارا نہیں کر سکتے! حق کے پاس اگر طاقت ہو تو وہ یقیناً جارح ہو گا۔ صرف ایک فرق ذہن میں رکھیئے۔ کسی فرد (individual) کو نہ کبھی پہلے اپنا دین بدلنے پر مجبور کیا گیا ہے' نہ آئندہ کیا جائے گا۔ اس کے لئے قرآن حکیم کی نص موجود ہے : ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ "دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں ہے۔ بیشک ہدایت کی راہ گمراہی سے جدا ہو کر روشن اور واضح ہو چکی ہے"۔ لیکن باطل کا غلبہ گوارا نہیں کیا جائے گا۔ ملک میں تشریعی نظام (Law of the Land) بہرصورت اللہ کا قائم و نافذ ہو گا : ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾۔ اگر اہل حق میں کوئی غیرت و حمیت ہے تو وہ حق کا بول بالا کرنے' اسے غالب کرنے اور باطل کو مٹانے' اسے سرنگوں کرنے کی جدوجہد کے لئے تن' من' دھن سب کچھ لگا دیں گے۔ اس راہ میں جان دینے اور سر کٹانے سے زیادہ دنیا میں ان کو کوئی شے محبوب نہیں ہو گی۔ اقبال نے بڑا پیارا شعر کہا ہے ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

یعنی باطل تو یہ چاہے گا کہ یہ صورت برقرار رہے کہ دو متضاد فکری نظام پُرامن طریق پر پہلو بہ پہلو رہیں۔ اس لئے کہ اسے تو اس طرح اپنے وجود اور بقاء کی ضمانت (Lease of Existance) ملتی ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ حق و باطل کے مابین Peaceful co-existance خود باطل ہے۔ حق اسے کیسے گوارا کر لے گا؟ ـــــ چنانچہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مکہ میں بھی تصادم کا آغاز جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے کیا جب آپؐ نے یہ نعرہ لگایا : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـــــ جس نے ان کے عقائد کی نفی' ان کے نظام کی نفی' ان کے رسم و رواج کی نفی' ان کے رذائل اخلاق کی نفی' ان کے معاشرتی نظام کی نفی' معاشرتی اونچ نیچ کی نفی' نسل پرستی کی نفی' آباء پرستی کی نفی' ہوائے نفس کی نفی کر دی۔ یوں سمجھئے کہ اس کلمۂ توحید کی زد سے باطل نظریات کا کوئی پہلو اور گوشہ نہیں بچ سکتا' اور ہر چیز کی نفی اس کلمہ میں موجود ہے۔

ہجرت کے بعد اقدامات بھی حضور اکرم ﷺ نے کئے۔ وادیٔ نخلہ جیسے دور دراز

مقام پر مہم بھیجی۔ ابو سفیان کا قافلہ جا رہا تھا تب بھی اس میں خلل اندازی کرنے کے لئے حضورؐ بنفس نفیس ڈیڑھ سو مہاجرین کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے۔ مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ ابو سفیان کا قافلہ جب واپس آ رہا تھا تو ایسے ہی خبر اُڑ گئی کہ حضورؐ شاید اس پر حملہ کرنے والے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دو تین مہینے پہلے خود محمد ﷺ اس قافلے کو intercept کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ وہ تو ایک دن رات کا فصل پڑ گیا کہ قافلہ بچ کر نکل گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ شبلی مرحوم نے غزوۂ ذوالعشیرہ کا ذکر تک نہیں کیا اور واقعہ نخلہ کے بارے میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہمارے سیرت نگاروں نے خواہ مخواہ ایسی باتیں لکھ دی ہیں —— میرے نزدیک شبلی مرحوم ہمدردی کے لائق ہیں۔ اس لئے کہ ان کا دور انگریز کا دور تھا جب مستشرقین کی طرف سے اسلام پر پے بہ پے حملے ہو رہے تھے اور کہا جا رہا تھا کہ ع "بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!" لہٰذا انہوں نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا۔ وادی نخلہ کا واقعہ سیرت کی تمام کتابوں میں موجود ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس واقعے نے مکہ میں جوش انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی۔

فرار نہیں ہجرت!

ایک اور غلط فہمی بھی دُور ہو جانی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ مکّہ سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جان بچا کر نہیں بھاگے تھے۔ جس کسی کا بھی یہ تصور ہو وہ اس کی اصلاح کر لے۔ ہمارے کچھ تجدد پسند دانشور مستشرقین کی تحریروں سے متاثر ہو کر ایسا تصور رکھتے ہیں۔ یہ حضرات ہجرت کے واقعہ کا ذکر Flight to Madinah یعنی "مدینہ کی طرف فرار" کے الفاظ سے کرتے ہیں' وہ اسے ہجرت نہیں کہتے۔ ہجرت اور فرار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضور ﷺ کے متعلق اس تصور کا ذرا سا شائبہ بھی کسی کے ذہن میں ہو تو وہ اسے کھرچ دے' ورنہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ یہ بالکل ویسے ہے جیسے سورۃ الانفال میں آیا ہے کہ جنگ میں پیٹھ دکھا دینا بہت بڑا جرم اور ناقابل معافی گناہ ہے' سوائے اس کے کہ پینترا بدلنا ہو' یا یہ کہ پیچھے جو نفری ہے اس تک پہنچ کر پھر حملہ کرنا مقصود ہو۔ تو

ہجرت درحقیقت باطل کے خلاف پینترا بدلنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک متبادل مرکز (Alternate Base) کی حیثیت سے پہلے طائف کا انتخاب کیا تھا' لیکن طائف والوں کی قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوش قسمتی اور سعادت یثرب کے لئے رکھی تھی' چنانچہ اہل یثرب چل کر گئے اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے آئے' بلکہ اس کی منظوری لے آئے۔ اب حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس گھڑی کی اجازت ملنے کا انتظار تھا جس گھڑی ہجرت کرنا تھی۔ جوں ہی اجازت آئی حضور ﷺ عازم ہجرت ہوئے اور سوئے یثرب کوچ فرمایا۔ لیکن حضور ﷺ یہاں کھجوروں کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام فرمانے نہیں آئے تھے' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

ٹھنڈی چھاؤں سب کو پسند آتی ہے' لیکن حضور ﷺ تو غزوۂ بدر سے پہلے بنفس نفیس چار مہموں میں تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے تو ٹھنڈی چھاؤں میں آرام نہیں کیا۔ ابتدائی چھ مہینے ایسے ضرور ہیں جس میں حضور ﷺ نہ خود کسی غزوے کے لئے تشریف لے گئے نہ کوئی سریہ بھیجا' لیکن یہ چھ ماہ حضور ﷺ نے داخلی استحکام میں صرف فرمائے۔ اقامت صلوٰۃ اور اجتماعات مسلمین کے لئے مسجد نبویؐ کی تعمیر کی' انصار و مہاجرین میں مواخات قائم فرمائی اور آس پاس کے قبائل سے معاہدے کئے۔ ان کاموں کو سنبھالنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فوراً اقدامات کا آغاز فرما دیا۔ تو یہ ہے اقدام (Active Resistance) جس کا آغاز نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہوا' جس کے نتیجہ میں آخری اور چھٹے مرحلے یعنی مسلح تصادم کا جو سلسلہ شروع ہوا غزوۂ بدر اس کا آغاز ہے۔ یوم البدر ۱۷/ رمضان المبارک ۲ھ ہے۔

ابو جہل سے ایک بات اور بھی منسوب ہے کہ اس نے دعاء کی تھی کہ "اے اللہ! اس جنگ کو یوم الفرقان بنادے" اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو واقعتاً حق و باطل میں امتیاز کرنے والا دن بنادیا اور سورۃ الانفال میں اس کو یوم الفرقان ہی قرار دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ

ہجرت اور غزوۂ بدر ہی دین اللہ کے بالفعل غلبہ کی تمہید بنے۔

غزوۂ بدر کا معرکۂ کارزار

اس خبر کے بعد کہ ابوسفیان کا قافلہ خیر و عافیت سے مکہ پہنچ گیا ہے‘ عتبہ بن ربیعہ نے حکیم بن حزام کی تجویز پر یہ کوشش کی تھی کہ جنگ ٹل جائے‘ اس پر ابوجہل نے اسے طعنہ دیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کو مدمقابل دیکھ کر تمہاری ہمت جواب دے رہی ہے اور محبت پدری سے مغلوب ہو کر تم یہ تجویز لے کر آئے ہو کہ جنگ نہ ہو۔ یہ ایسا طعنہ تھا جو عتبہ کو گھائل کر گیا اور اس طرح صلح جو لوگوں (Doves) کی جانب سے جنگ کو ٹالنے کی کوشش ناکام ہو گئی۔ چنانچہ اگلی صبح جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو سب سے پہلے عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر نکلا اور مبازرت طلب کی۔ اہل ایمان کے لشکر سے تین انصاری صحابی رضی اللہ عنہم مقابلہ کے لئے نکلے۔ عتبہ نے چیخ کر پوچھا : "مَن انتم؟ مَنِ القَوم؟" ——— انہوں نے اپنے نام بتائے۔ عتبہ نے کہا کہ تم ہمارے برابر کے نہیں ہو‘ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ پھر چیخ کر پکارا: محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری توہین نہ کرو‘ ہم ان کاشت کاروں سے لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارے مقابلے کے لئے انہیں بھیجو جو ہمارے برابر کے ہیں‘ جو ہمارے مدمقابل ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس موقع پر باپ کے مقابلہ میں بیٹا یعنی عتبہ کے مقابلے میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے نکلنا چاہا‘ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا۔ پھر حضرت حمزہ‘ حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب‘ تین صحابی رضی اللہ عنہم مقابلہ کے لئے نکلے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو جلد ہی واصل جہنم کر دیا‘ لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ولید بن عتبہ سے شدید مقابلہ ہوا۔ دونوں کا بیک وقت ایک دوسرے پر کاری وار ہوا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ٹانگیں کٹ گئیں اور وہ گر پڑے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے‘ ولید کو ختم کیا اور حضرت عبیدہ کو جو جان بلب تھے‘ اٹھا کر لے آئے۔ انہوںؓ نے کہا مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے متعلق فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں یقیناً جنت ملے گی" تو ان

کے چہرہ پر بشاشت آئی اور ان کی زبان سے نکلا کاش! آج ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ میں نے ان کی بات سچ کر دکھائی ہے کہ اپنی جان حضورؐ پر نچھاور کر دی ہے۔ بات یہ تھی کہ جب مشرکین مکّہ کا جناب ابو طالب پر شدید دباؤ پڑتا تھا کہ تم اور بنو ہاشم محمدؐ (ﷺ) کی حمایت سے دست کش ہو جاؤ تاکہ ہم ان سے نمٹ لیں یعنی (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کو قتل کر دیں تو عام طور پر جناب ابو طالب اُس وقت ایک شعر پڑھا کرتے تھے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے کہ : "تم محمدؐ (ﷺ) پر اس وقت تک قابو نہیں پا سکو گے جب تک انؐ کی حفاظت میں ہمارا بچہ بچہ کٹ کر مر نہ چکے گا۔"

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال میدان بدر میں نہیں ہوا بلکہ فتح کے بعد جب اسلامی لشکر مدینہ منورہ واپس جا رہا تھا تو راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ ان کی قبر میدان بدر سے آگے مدینہ منورہ کے راستے میں ہے۔

بہرحال ۱۷/ رمضان المبارک سن دو ہجری میں میدان بدر میں باقاعدہ اور ڈوبدو جنگ کی صورت میں اندرون عرب انقلاب محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے چھٹے اور آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کا آغاز ہو گیا۔ اس غزوہ میں قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے ابو سفیان اور ابولہب کے علاوہ باقی قریباً تمام ہی کھیت رہے۔ واضح رہے کہ ابو سفیان چونکہ تجارتی قافلے کے ہمراہ تھے' لہٰذا وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح ابولہب بھی جنگ میں شریک نہیں تھا اور اُس نے اپنی جگہ کرائے کا فوجی بھیج دیا تھا۔ قریش کے کل ستر سر برآوردہ لوگ مقتول ہوئے۔ ابو جہل مارا گیا۔ عتبہ بن ربیعہ' اس کا بھائی اور بیٹا قتل ہوئے۔ اسی طرح نضر بن حارث' امیہ بن خلف' عقبہ بن اُبی معیط جیسے مشرکین جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خون کے پیاسے تھے' گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے گئے۔

سُنّت اللہ کا ظہور

غزوۂ بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کی شرمناک ہزیمت اور ان کے ستر (۷۰) سربرآوردہ لوگوں کا کھیت رہنا اصل میں یہ عذاب الٰہی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ

رہی ہے کہ جب وہ کسی قوم یا ملک کی طرف کسی رسول کو بھیجتا اور وہ قوم انکار پر اس درجہ اَڑ جاتی تھی کہ رسول کی جان لینے کے درپے ہو جائے' یہاں تک کہ رسول کو وہاں سے ہجرت کرنی پڑے' تو رسول اور ان کے ساتھیوں کی ہجرت کے بعد اس قوم پر عذاب کا آنا لازم ہوتا تھا۔ رسول اور ان کے اصحاب کو بچا لیا جاتا تھا اور پوری قوم ہلاک کر دی جاتی تھی۔

البتہ عذاب الٰہی کی صورتیں اور نوعیتیں مختلف رہی ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ پوری قوم کو ایک عظیم طوفان باد و باراں کے ذریعہ غرق کر دیا گیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ معاملہ ہوا اور کہیں ایسا ہوا کہ پوری کی پوری قوم کو ان کی بستیوں کے اندر ہی ختم کر دیا گیا جیسے قوم لوط' قوم عاد اور قوم ثمود کی بستیاں : ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ﴾ کہیں ایسا ہوا کہ اہل تمرد کو زمین میں دھنسا دیا گیا جیسے قارون کے ساتھ معاملہ ہوا' اور کہیں ایسا بھی ہوا کہ کفار و مکذبین کے سربرآوردہ اور چیدہ چیدہ لوگوں کو ان کی بستیوں سے باہر نکالا گیا اور ان کو عذاب الٰہی نے ملیامیٹ کر دیا' جیسے آل فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکالا گیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا گیا : سورۃ العنکبوت میں ان چاروں انواع کے عذاب کا ذکر بایں الفاظ فرمایا گیا ہے :

﴿ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۚ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ﴾

"آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ میں پکڑا۔ پھر ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی' اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا' اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا' اور کسی کو غرق کر دیا...."

آل فرعون کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس سے ملتا جلتا معاملہ قریش مکّہ کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں اسی سنت اللہ کا ظہور ہمیں صرف اس فرق کے ساتھ ملتا ہے کہ آل فرعون کو تو سمندر میں غرق کر دیا گیا لیکن قریش کے جو نامی گرامی سردار نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچاتے

رہے تھے' جو حضور ﷺ کے خون کے پیاسے تھے' جو توحید کی انقلابی دعوت کے شدید مخالف تھے' ان سب کو میدان بدر میں کھینچ لایا گیا اور انہیں اہل ایمان کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا۔ اسی سنت اللہ کی جانب اشارہ سورۃ الانفال کی آیت ۱۷ کے آغاز میں ہے کہ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ "(اے مسلمانو!) تم نے ان (مشرکین مکہ) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے۔"

ابولہب میدان میں نہیں آیا تھا' لیکن عذاب الٰہی سے وہ بھی نہ بچ سکا۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد وہ مکہ کے اندر ہی پلیگ جیسی کسی بیماری میں مبتلا ہو کر نہایت عبرت ناک موت سے دوچار ہوا۔ اس کا تمام جسم سڑ گیا تھا اور اس میں شدید تعفن پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے اپنے قریبی رشتہ داروں نے بھی اس کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ اس کی نعش کو لکڑیوں سے دھکیل دھکیل کر ایک گڑھے میں دفن کر دیا۔

پس دراصل غزوۂ بدر میں صنادید مشرکین کی ہلاکت اس سنت اللہ کے مطابق دُنیوی عذابِ الٰہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی تکذیب اور ان کو دیس سے نکلنے پر مجبور کرنے والے کفار و مکذبین کے لئے طے کر رکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تیرہ حضرات نے میدان بدر میں جام شہادت نوش فرمایا' اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ جو زخمی تھے' واپسی کے سفر میں اثنائے راہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے چودہ افراد نے اپنے رب کے حضور جان کا نذرانہ پیش کر دیا' جبکہ کفار و مشرکین کے ستر صنادید خاک و خون میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوئے۔ مزید یہ کہ ستر مشرکین کو اہل ایمان نے قید کر لیا۔

غزوۂ بدر کے اثرات

غزوۂ بدر کے نتیجہ میں پورے عرب میں' خاص طور پر بدر کے قریب کے علاقہ پر اہل ایمان کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور اس طرح اس غزوہ میں فتح و کامرانی کی بدولت دعوت توحید اور اسلامی تحریک کی انقلابی جدوجہد کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ پورے عرب میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ قریش کا کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار کا لشکر جناب محمد

ﷺ کے تین سو تیرہ قریباً نہتے اور بے سرو سامان ساتھیوں سے شکست کھا گیا ـــــ یہ نفوس قدسی جنگ کے ارادے سے تو نکلے ہی نہیں تھے' یہ تو اولاً صرف ابو سفیان کے قافلہ کا راستہ روکنے کے لئے نکلے تھے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک ہزار کے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہو جائے گی ـــــ سیرت نبویؐ پر جناب محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ کی تالیف "مختصر سیرۃ الرسول ﷺ" میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت صرف اس قافلہ پر یورش کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا جو مال تجارت لے کر شام سے واپس آ رہا تھا' لہٰذا کوئی نفیر عام نہیں تھی' کوئی اعلان جنگ نہیں تھا۔ قافلہ کے ساتھ محافظوں کی تعداد کا اندازہ کر کے حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ تو مدینہ سے باہر نکل کر حضور ﷺ کو خبر ملی کہ قافلہ پر مسلمانوں کی یورش کے ارادہ کی خبر قریش کو مل چکی ہے اور قریش کا کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔

یہ خبر ملنے کے بعد حضور ﷺ نے مشورہ فرمایا کہ قافلہ کی طرف چلیں یا لشکر کی طرف! اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن حضرات نے قافلہ کی طرف چلنے کا مشورہ دیا تھا تو اصل میں ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تو تیار ہو کر نکلے ہی نہیں' نہ ہم نے اس اعتبار سے اپنی نفری بنائی ہے اور نہ ہی اس کے لئے ساز و سامان ساتھ لیا ہے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ ذوالعشیرہ میں ڈیڑھ سو مہاجرینؓ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے' جبکہ غزوۂ بدر کے موقع پر صرف تریسٹھ یا تراسی مہاجرین حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ گویا مہاجرین کی نفری بھی پوری نہیں تھی۔ لہٰذا یہ رائے نہ تو بزدلی کی بنیاد پر تھی اور نہ منافقت کی بنیاد پر' بلکہ جو بھی احوال و اسباب تھے ان کی بنیاد پر صحیح تھی کہ ہم اس ارادہ سے نہیں نکلے' لہٰذا قافلہ کی طرف چلنا بہتر اور مناسب ہو گا۔ لیکن حضور ﷺ کا منشا کچھ اور تھا۔ حضور ﷺ اللہ کی مشیت کے مطابق چاہتے تھے کہ فیصلہ ہو جائے : ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ "کہ جو مرے وہ دلیل کے ساتھ مرے اور جو جیے وہ دلیل کے ساتھ جیے۔"

اب عالم عرب میں جب یہ خبر پہنچی کہ قریش کی ایک ہزار کی جمعیت تین سو تیرہ

مسلمانوں سے شکست کھا گئی اور غزوۂ بدر کے میدان میں ان کے ستر بڑے بڑے سورما کھیت رہے تو عالم عرب میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ غزوۂ بدر میں سرداران قریش کے جسم اس طرح کٹ کر گرے ہوئے تھے جس طرح سورۃ الحاقہ میں قوم عاد کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ یعنی مشرکین مکہ میدان بدر میں ایسے پڑے ہوئے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔ ابو جہل میں ابھی جان باقی تھی جب نبی اکرم ﷺ نے پاس آکر اس کی گردن پر اپنا پاؤں مبارک رکھا اور فرمایا : ((هٰذَا فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ)) "یہ شخص اس اُمت کا فرعون ہے۔" پس اس فتح سے اہل ایمان کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ ایک طرف ان کا حوصلہ (Morale) بہت بلند ہوا تو دوسری طرف تمام عرب پر مسلمانوں کی ہیبت اور رعب پڑ گیا۔ لہٰذا غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کے تیرہ ماہ شادمانی اور مسرت کے گزرے اور اس دوران اسلام کی دعوت کے اثرات میں وسعت پیدا ہوئی۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اب کچھ کچے اور ضعف ارادہ کے حامل لوگ بھی آکر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ اس سے پہلے تک تو معاملہ یہ تھا کہ جو آتا تھا وہ پوری طرح سوچ سمجھ کر آتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دعوت اسلام قبول کرنے سے اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی اور اسے کن کن خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسے ہر لمحہ جان ہتھیلی پر رکھنی ہوگی' اس راہ میں مشکلات کے پہاڑ آئیں گے' مصائب و شدائد سے سابقہ پیش آئے گا۔ لیکن بدر کی فتح سے جب صورت حال بدل گئی تو کچھ کچے اور ناپختہ لوگ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطابات پر مشتمل

عیسائیت اور اسلام

کتابی شکل میں دستیاب ہے
عمدہ طباعت' صفحات ۵۶ قیمت ۸ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

امیر تنظیم اسلامی کا ایک نہایت جامع درس قرآن
بعنوان:

اطاعت کا قرآنی تصور

کتابی شکل میں دستیاب ہے
صفحات ۴۴' قیمت ۷ روپے
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور

دُعا کی اہمیت و فضیلت

کرنل (ر) محمد یونس

انسان اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے' اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اگر وہ ہمیں زندہ نہ رکھے تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اس کی بندگی و عبادت کی تاکید اس لئے نہیں کی جاتی کہ اللہ کو اس کی احتیاج ہے' بلکہ اس لئے کہ اسی پر ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی کا انحصار ہے۔ چنانچہ سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ' وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝﴾

"لوگو' تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو بے نیاز اور بڑی خوبیوں والا ہے۔"

یعنی اللہ ہر چیز کا مالک ہے' ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز ہے' کسی کی مدد کا محتاج نہیں' آپ سے آپ محمود اور اپنی ذات میں کامل ہے' کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے' بہرحال حمد و شکر اور تعریف کا استحقاق اسی کو پہنچتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ اس کا تعلق تمام تر اس کی عنایت اور رحمت پر مبنی ہے۔ تمام بنی نوع انسان مجموعۂ حاجات ہیں' اس لئے ہر وقت حاجت مند ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں سے بھی مستفید ہوتے ہیں اور مصائب و آلام سے بھی دوچار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر حاجت کے پورا ہونے کے لئے' ہر ضرورت کے انتظام و انصرام کے لئے' ہر دکھ درد سے نجات پانے کے لئے' ہر نازل شدہ وبال سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے اور ہر نازل ہونے والی بلا کے ٹل جانے کے لئے ایک مومن کا طرزِ عمل اللہ اور صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ چنانچہ دُعا کی اہمیت و ضرورت و منفعت کو اجاگر کرنے کے لئے قرآن مجید میں متعدد آیات وارد ہوئی ہیں :

۱۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا :

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ' اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۝ ﴾

(البقرۃ : ۱۸۶)

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دُعا' جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ سو ان کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ رشد و ہدایت پا جائیں۔"

۲۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا :

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۵۵' ۵۶)

"تم لوگ اپنے پروردگار سے دُعا کیا کرو گڑگڑاتے ہوئے (یعنی اظہار تذلّل کے ساتھ) اور چپکے چپکے' یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے' اور تم اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ (یعنی اس کی معصیت اور نتیجتاً اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہوئے) یقیناً اللہ کی رحمت نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔"

دوسرے لفظوں میں بقول اقبال ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

۳۔ سورۃ المومن میں فرمایا :

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝ ﴾ (المومن : ۶۰)

"اور فرمایا تیرے رب نے کہ پکارو مجھ کو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں (جس میں دُعا کرنا بھی شامل ہے) وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

۴۔ سورۃ النمل میں مذکور ہے :

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ... ﴾

(النمل : ۶۲)

"کون ہے جو ایک بے قرار (بے کس و بے بس) شخص کی دُعا قبول فرماتا ہے جبکہ وہ اسے پکارتا ہے' اور اس کی مصیبت دور فرماتا ہے..."

اس سلسلے میں تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ حافظ ابن عساکر ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک شخص کرایہ پر مسافروں کو اپنی خچر کے ذریعے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے ساتھ سوار ہوا۔ سفر کے دوران جب وہ جنگل میں ایک دوراہے پر پہنچے تو مسافر نے اس طرف چلنے کو کہا جس طرف مسافروں کی آمدورفت نہ تھی۔ خچر والے نے کہا میں اس راستے سے واقف نہیں ہوں۔ مسافر نے کہا اس راستہ سے منزل قریب تر ہے' لہٰذا اس پر چلو۔ خچر والا بیان کرتا ہے کہ چلتے چلتے ہم ایک لق ودق بیابان میں پہنچے جہاں ایک گہری وادی تھی اور اس میں بہت سے مقتول پڑے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچ کر وہ بولا' خچر کو ذرا روک' میں اترنا چاہتا ہوں۔ خچر رکتے ہی وہ اترا اور ایک چھری نکال لی اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ میں بھاگا' اس نے پیچھا کیا۔ میں نے اس کو اللہ کی قسم دلائی اور کہا میری جان چھوڑ دے اور خچر اور تمام اسباب لے لے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ چیزیں تو میری ہو ہی چکی ہیں' میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس کو اللہ کا خوف دلایا اور قتل مسلم کی سزا یاد دلائی مگر اس نے ایک نہ مانی۔ جب میں عاجز آگیا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے اتنی مہلت تو دے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ کہنے لگا اچھا جلدی سے پڑھ لے۔ میں نماز کے لئے کھڑا ہوا' نماز میں قرآن پڑھنا چاہتا تھا' مگر ایک لفظ بھی زبان پر نہ آتا تھا۔ میں حیران کھڑا تھا کہ اب کیا کروں اور ادھر وہ تقاضا کر رہا تھا کہ جلدی کرو۔ اسی حالت میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت میری زبان پر جاری فرمادی :

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ... ﴾

اس آیت کا میری زبان سے نکلنا تھا کہ اچانک ایک گھوڑسوار وادی کی گہرائی سے ایک نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے نکلا اور اس سرعت اور مہارت سے نیزہ مسافر پر برسایا کہ اس کے دل سے پار ہو گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں نے گھوڑسوار کو اللہ کی قسم دی اور پوچھا

کہ سچ بتا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں اُس ذات کا بھیجا ہوا ہوں جو بے قرار کی دُعا قبول فرماتا ہے اور اس کی مصیبت دور فرماتا ہے۔

۵۔ اہل ایمان کی تعریف میں جو امید و بیم کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں' سورۃ السجدۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ (السجدۃ : ۱۱)

"ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید باندھے ہوئے پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

۶۔ سورۃ الانبیاء میں حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا :

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا' وَّكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء : ۹۰)

"بلاشبہ یہ لوگ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے سر نگندہ رہنے والے تھے" (یعنی عاجزی کرنے والے تھے۔)

۷۔ اس کے بعد سورۃ المومن میں ارشاد ہے :

﴿ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (المومن : ۶۵)

"وہ زندہ و جاوداں ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں' لہٰذا تم اسی کو پکارو اس کی معبودیت کا خالص اعتقاد رکھتے ہوئے۔ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے۔"

۸۔ اللہ کے سوا کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مخلوق کو کسی بات کا اختیار نہیں ہے۔ مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے' اس کے فیصلے کو کوئی الٹ نہیں سکتا اور اس کی عطا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ' اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ ﴾
(الحدید : ۲۲)

"کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں کو لاحق ہوتی ہے' مگر قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں' ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے' یقیناً یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔"

۹۔ مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ' وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ' وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (فاطر : ۲)

"اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت کھول دے تو پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں' اور جس کو وہ روک لے اس کے بعد اسے جاری کرنے والا کوئی نہیں' اور وہ غالب حکمت والا ہے۔"

۱۰۔ علاوہ ازیں سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا :

﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ' فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ' وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ' يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ' وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ ﴾ (یونس : ۱۰۶ - ۱۰۷)

"اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو مت پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں شمار ہوگا۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو دور کر سکے اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ فرمالے تو اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچا کے رہتا ہے' اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

۱۱۔ سورۃ القصص میں ارشاد ہے :

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ' لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ' كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا

وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (القصص : ۸۸)
"اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ ساری کائنات میں اسی کی فرمانروائی ہے اور اسی کی طرف تم سب کی واپسی ہے۔"

احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام

کتب احادیث میں متعدد ایسی احادیث شریفہ ملتی ہیں جن میں دُعا کی اہمیت' ضرورت اور فضیلت بتائی گئی ہے اور دُعا نہ کرنے کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

(۱) دُعا سراپا عبادت ہے :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" کہ دُعا ہی عبادت ہے' اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی : ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝ ﴾ دوسرے لفظوں میں دُعا سراپا عبادت ہے۔ (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

(۲) دُعا عبادت کا مغز ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" یعنی دُعا عبادت کا مغز ہے۔ (رواہ الترمذی)

(۳) دُعا مومن کا ہتھیار ہے :

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا : "اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّيْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یعنی دُعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔ (مستدرک حاکم)
چونکہ دُعا کی بدولت بڑی بڑی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں' شیطانی حملوں سے پناہ حاصل

ہوتی ہے' دشمنوں پر فتح یابی نصیب ہوتی ہے اور ظالموں سے نجات ملتی ہے' اس لئے اس کو مومن کا ہتھیار قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا رکن توحید ہے اور موحد ہونے کا سب سے زیادہ عملی ثبوت نماز اور دُعا ہیں' کیونکہ دونوں اظہارِ بندگی اور عجز وانکساری کا مظہر ہیں۔ لہٰذا دونوں کو عِمَادُ الدِّیْنِ کہا۔ چونکہ سب علوم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے اور اس کا فرمان ہے : ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ لہٰذا وہ اپنے مومن بندوں کے دلوں کو رہنمائی عطا فرماتا ہے۔ اسی لئے دُعا کو آسمانوں اور زمین کی روشنی قرار دیا گیا ہے۔

(۴) اللہ کے ہاں دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز بزرگ و برتر نہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "لَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دُعا سے بڑھ کر بزرگ و برتر نہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ)۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہو گئی کہ انسانوں کے اعمال میں دُعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی اثاثہ ہے' جو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔

(۵) جو کوئی اللہ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ" (الترمذی)۔ یعنی جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ جل شانہ اس پر غصہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم ہے اور اپنے بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے والے پر اسے پیار آتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بندے کا سب سے عزیز اور قیمتی عمل دُعا اور سوال ہے۔

(۴)دُعا کی مقبولیت اور نافعیت :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ" یعنی دُعا ان حادثات و مصائب میں بھی نافع ہوتی ہے جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے۔ پس اے اللہ کے بندو دُعا کا اہتمام کرو (رواہ الترمذی)۔

مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی تک نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا صرف اندیشہ ہے' اس سے حفاظت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہئے' ان شاء اللہ کار آمد ہوگی اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کے لئے بھی دُعا کرنی چاہئے' ان شاء اللہ نافع ہوگی اور اللہ تعالیٰ وہ مصیبت دور فرما کر عافیت نصیب فرمائیں گے۔

(۷)دُعا سے عاجز مت بنو :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "لَا تَعْجِزُوْا فِي الدُّعَاءِ فَاِنَّهٗ لَنْ يُّهْلِكَ مَعَ الدُّعَاءِ اَحَدٌ" یعنی دُعا کرنے سے عاجز نہ بنو کیونکہ دُعا کے ساتھ ہوتے ہوئے کوئی شخص ہلاک نہ ہوگا۔

درحقیقت دُعا میں سستی کرنا بڑی محرومی ہے۔ لوگ دشمنوں سے نجات کے لئے اور طرح طرح کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے بہت سی تدبیریں کرتے ہیں' مگر دُعا نہیں کرتے جو آسان ترین اور ہر انسانی تدبیر سے بڑھ کر مفید ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ کو جائز تدبیروں کو چھوڑنے کی ترغیب دی جا رہی ہے بلکہ یہاں مقصود سب سے بڑی اور بہتر تدبیر کی طرف متوجہ کرنا ہے' جو دُنیا کی زندگی میں بھی نافع ہے اور آخرت میں بھی اجر و ثواب دلانے والی ہے۔ ہدایت اللہ سے مانگو' دین و دُنیا کی خیر اللہ سے مانگو' تمام آفات و اوجاع سے حفظ و امان کے لئے' انشراح خاطر و دفع امراض کے لئے' غرضیکہ ہر چھوٹی بڑی حاجت روائی کے لئے اللہ جل شانہ کے حضور درخواست کرتے رہو۔ ہر خیر کی دُعا مانگنے میں لگے رہو تو ان شاء اللہ خیر ہی خیر سامنے آئے گی۔

(۸) سب کچھ اللہ سے مانگو :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "لِيَسْئَلَنَّ اَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ اَوْ حَوَائِجَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْاَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ وَحَتّٰى يَسْاَلَهُ الْمِلْحَ" یعنی تم میں سے ہر شخص اپنے رب سے ضرور اپنی حاجت کا سوال کرے۔ یہاں تک کہ جب چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اسی سے مانگے اور نمک کی حاجت ہو تو وہ بھی اسی سے طلب کرے۔

(۹) جس کیلئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل گئے :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابَ الدُّعَآءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِىْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ الْعَافِيَةَ" (رواہ الترمذی) یعنی تم میں سے جس کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ کو دُعاؤں اور سوالوں میں سب سے محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں۔ لہٰذا کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو عافیت کی دُعا سے زیادہ محبوب نہیں۔

تمام دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے سلامتی اور تحفظ کی دُعا ہی اپنی کامل عاجزی اور سراپا محتاجی کا اظہار ہے' اور یہی کمال عبدیت ہے۔ اور جس کو دُعا کی حقیقت نصیب ہو گئی اور اللہ سے مانگنا آ گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ دُعا کی حقیقت دراصل ان دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہیں بلکہ انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب و تڑپ ہے۔ اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے ہی کو رحمت کے دروازے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں سنن ترمذی اور صحیح حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح یا شام کبھی یہ کلمات ترک نہیں فرماتے تھے' یعنی :

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ' اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ۔ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ' اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وعَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ' وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ))

"اے اللہ! میں دُنیا اور آخرت میں تجھ سے عافیت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میں اپنے دین و دُنیا میں اور اپنے اہل و مال میں تجھ سے معافی اور امن کا خواستگار ہوں۔ اے اللہ! میری برہنگیوں کی ستر پوشی فرما اور بے چینیوں کو چین سے بدل دے۔ اے اللہ! آگے پیچھے' دائیں بائیں اور اوپر سے میری نگہداشت فرما اور میں اس بات سے تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں ناگہاں نیچے سے ہلاک کر دیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا دیا جاؤں۔" (ابو داؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ' مسند احمد' مصنف ابن ابی شیبہ' صحیح ابن حبان' مستدرک حاکم۔)

(۱۰) قبولیت دُعا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَیْسَ فِیْهَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰی ثَلَاثٍ' اِمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ تَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا' قَالُوْا اِذًا نَکْثُرُ' قَالَ اللّٰهُ اَکْثَرُ))

"جو مومن بندہ کوئی دُعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے' یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا کر دیا جاتا ہے' یا اس کی دُعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے' یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دُعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ

تب تو ہم بہت زیادہ دُعائیں کریں گے اور کمائی کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔"

جو لوگ دُعاؤں میں مصروف رہتے ہیں ان پر اللہ کی بڑی رحمتیں ہوتی ہیں' برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اول تو ان پر مصیبتیں آتی ہی نہیں' اگر آتی بھی ہیں تو معمولی نوعیت کی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے : "اَنَا لَا اَحْمِلُ هَمَّ الْاِجَابَةِ اِنَّمَا اَحْمِلُ هَمَّ الدُّعَآءِ فَاِذَا اُلْهِمْتُ الدُّعَآءَ كَانَتْ اِجَابَتُهٗ مَعَهٗ"۔ یعنی مجھے قبولیت دُعا کی نہیں دعا کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ (اس لئے کہ) جب مجھے دُعا کرنے کی توفیق حاصل ہو گئی تو قبولیت بھی اس کے ساتھ خاص ہو جائے گی۔

(۱۱) دُعا تقدیر کو بدل دیتی ہے :

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَآءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ)) (رواہ الترمذی) "یعنی تقدیر کو دُعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی۔"

یہاں یاد رکھئے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں' ایک مبرم اور دوسری معلق۔ تقدیر مبرم تو اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہوتا ہے' اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا' مگر تقدیر معلق بعض اسباب کی بنا پر بدل جاتی ہے۔ چنانچہ نیکی سے عمر میں اضافے کا تعلق بھی تقدیر معلق سے ہے' یعنی تقدیر میں مذکور ہوتا ہے کہ فلاں شخص اگر فلاں کام کرے گا تو اس کی عمر اتنی ہوگی ورنہ اتنی ہوگی۔

(۱۲) اللہ دُعا کے لئے اٹھے ہاتھوں کی لاج رکھتا ہے :

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا : "اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَرُدَّ صِفْرًا"۔ (رواہ الترمذی) یعنی تمہارا پروردگار غایت درجہ حیامند اور کریم ہے۔ وہ اپنے بندہ سے حیا کرتا

ہے کہ جب بندہ اس کی طرف دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو وہ اسے خالی ہاتھ واپس کر دے۔

(۱۳) سختی کے زمانہ میں قبولیت دُعا کا خواہشمند فراخی کے وقت کثرت سے دُعا مانگے :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ)) (رواہ الترمذی) یعنی جس شخص کے لئے یہ بات خوشی کا باعث ہو کہ سختی اور تنگی کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرمائے تو اسے چاہئے کہ خوش حالی کے زمانہ میں کثرت سے دُعا کیا کرے۔

اس حدیث پاک میں قبولیت دُعا کے لئے ایک بہت بڑا گُر بتا دیا گیا ہے کہ آرام و راحت اور صحت و تندرستی کے زمانہ میں جو شخص دُعا پر کاربند رہے گا تو اس کے لئے اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ انعام ہو گا کہ جب کبھی وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو گا' یا کسی مصیبت سے دوچار ہو گا' یا کسی مرض میں گرفتار ہو گا اور اُس وقت دُعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس وقت اس کی دُعا ضرور قبول فرمائیں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بندہ چین اور خوشی کے زمانہ میں دُعا کرتا رہتا ہے' پھر جب کوئی مشکل درپیش ہو تو اس وقت بھی دُعا کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کی سفارش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جانی پہچانی آواز ہے' ہمیشہ یہاں پہنچتی رہتی ہے۔ اور جب کوئی شخص آرام و راحت کے زمانہ میں اللہ پاک کو بھول جاتا ہے بلکہ ذکر و دُعا کی بجائے بغاوت اور سرکشی پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو یہ طرز عمل بے رخی اور بے غیرتی کا ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

﴿ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَا اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ﴾ (یونس : ۱۲)

"اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی اور بیٹھے بھی اور کھڑے بھی۔ پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف دور کر دیتے ہیں تو پھر اس

طرح گزر جاتا ہے گویا اس نے ہم کو اس سے پہلے اس تکلیف کے ہٹانے کے لئے پکارا ہی نہ تھا جو اسے پہنچی۔"

(۱۴) دُعا کرتے رہنے والے اور اللہ سے امید لگائے رکھنے والے کے لئے بخشش کی ضمانت دی گئی ہے بشرطیکہ اس نے شرک نہ کیا ہو:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((يَا ابْنَ آدَمَ اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَاكَانَ فِيكَ وَلاَ اُبَالِي' يَا ابْنَ آدَمَ لَوْبَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلاَ اُبَالِي' يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ اَتَيْتَنِي بِقِرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِي لاَ تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقِرَابِهَا مَغْفِرَةً))
(رواة الترمذی)

"اے آدم کے بیٹے! بے شک جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تیرے وہ سب گناہ بخشتا رہوں گا جو تیرے ذمہ ہیں' اور میں کچھ پرواہ نہیں کرتا ہوں۔ اے بنی آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں کو پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور میں کچھ پرواہ نہیں کرتا ہوں۔ اے انسان اگر تو اتنے گناہ لے کر میرے پاس آئے جس سے ساری زمین بھر جائے پھر مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنایا ہو تو میں اتنی ہی بڑی مغفرت سے تجھ کو نوازوں گا جس سے زمین بھر جائے۔"

اس حدیث پاک کے ذریعے سے مومن بندوں کے لئے شہنشاہ عالم کی طرف سے معافی اور مغفرت کا اعلان عام نشر کیا گیا ہے۔ بس بندہ عجز و انکساری اور رقت و ندامت قلبی کے ساتھ مولائے کائنات و خالق موجودات کی بارگاہ میں مضبوط امید کے ساتھ مغفرت کا سوال کرتا رہے۔ اتنے سے عمل پر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے

بشرطیکہ موحد ہو اور کسی قسم کے شرک میں ملوث نہ ہو۔ اسی لئے مولانا رومؒ نے فرمایا ؎

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے ست نہ آں را نہایتے

خداوند قدوس کی بخشش گناہوں کے انبار کو نہیں دیکھتی بلکہ خطا کا احساس، گناہ کا اعتراف اور اصلاح احوال کا عزم ہی کافی ہے اور یہی توبہ کا مفہوم ہے۔

(۱۵) تھک کر دُعا مانگنا نہ چھوڑو :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ((اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلِ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی اِنْ شِئْتَ وَلٰکِنْ لِیَعْزِمْ وَلْیُعَظِّمِ الرَّغْبَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَتَعَاظَمُہٗ شَیْءٌ اَعْطَاہُ)) (رواہ مسلم) یعنی جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ مجھے بخش دے اگر تو چاہے۔ بلکہ بلا کسی شک کے جزم و یقین کے ساتھ اور پوری رغبت کے ساتھ مانگے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو چیز عطا کرتا ہے وہ اس کے لئے مشکل نہیں ہوتی۔

(۱۶) دُعا میں عجلت کی ممانعت :

دعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور عرضداشت ہے جو مالک کل اور قادر مطلق ہے، چاہے تو یک لخت اور یک مشت سائل کی درخواست پوری کر دے۔ اور بعض اوقات تو اللہ تعالیٰ فی الفور عطا بھی فرما دیتا ہے۔ لیکن بسا اوقات اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ظلوم و مجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی نہ کی جائے کیونکہ خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ انسان کے ضمیر میں جلد بازی ہے لہٰذا جب اس کی مانگ فوراً عطا نہیں ہوتی تو وہ مایوس ہو کر دعا کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ دعا کی قبولیت کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔ گویا اس کی جلد بازی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ((یُسْتَجَابُ لِاَحَدِکُمْ مَالَمْ یَعْجَلْ فَیَقُوْلُ قَدْ

دَعَوْتُ رَبِّي فَلَمْ يَسْتَجِبْ لِي)) (رواہ البخاری و مسلم) یعنی "تمہاری دعائیں اس وقت تک قابل قبول ہوتی ہیں جب تک جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ جلد بازی یہ ہے کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔" مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔

(۱۷) وہ دُعائیں جن کی ممانعت کی گئی ہے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ((لَا تَدْعُو عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْئَلُ فِيهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ)) (رواہ مسلم)۔ یعنی تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد اور مال و جائداد کے حق میں بد دُعا نہ کرو۔ مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور تمہاری دُعا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور نتیجتاً خود تمہارے اوپر یا تمہاری اولاد یا مال و جائداد پر کوئی آفت آجائے۔ (جاری ہے)

1924ء میں خلافت کی تنسیخ کے بعد سے 1969ء تک
عالم اسلام کے کسی متحد نظام یا ادارہ کے قیام کی مساعی کے جائزہ پر مشتمل ایک تاریخی
دستاویز جو گوشہ خلافت کے عنوان سے ندائے خلافت میں بالاقساط شائع کی جاتی رہی

استنبول سے رباط تک

تالیف :

عمران این حسین

ترجمہ و تلخیص از محمد سردار اعوان

تقدیم از قلم ڈاکٹر اسرار احمد

سفید کاغذ' صفحات : 110' قیمت : 30 روپے

شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ایمانیات ثلاثہ

اصل حاصل اور باہمی تعلق

رحمت اللہ بٹر' ناظم تربیت

(گزشتہ سے پیوستہ)

۲) ایمان بالرسالت

یہ ایمان تین اجزاء پر مشتمل ہے : ایمان بالملائکہ' ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل۔

ایمان بالملائکہ : یہ ایمانیات کا جزو لازم ہے' اس لئے کہ فرشتوں کو نہ ماننے کی وجہ سے یہ گمراہی پیدا ہوتی ہے کہ پھر ہدایت کا وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے انبیاء و رُسل تک اللہ کا پیغام اور اس کا کلام پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرشتوں کا انکار کیا گیا تو قرآن مجید کو نبی اکرم ﷺ کا کلام قرار دے دیا گیا۔ ماضی قریب میں اس کی مثالیں سرسید احمد خان اور مولانا فضل الرحمٰن (ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی) کے نظریات ہیں۔

فرشتے اصل میں نوری مخلوق ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا اتنا مشاہدہ ہے کہ وہ باوجود اختیار رکھنے کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور ان کے گل سرسبد روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے کلام اللہ کو اللہ تعالیٰ سے وصول کیا اور پھر اسے روح محمدی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام پر نازل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات کا ذکر خاص طور پر کیا ہے کہ (ملکی صورت میں) آپؐ نے ان کو دوبار دیکھا ہے' تاکہ قرآن مجید کے راوی اول سے ملاقات ثابت ہو' اور پھر ان کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ کریم بھی ہیں اور امین بھی' ذو قوۃ بھی ہیں اور شدید القوی بھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کا پیغام انبیاء و رُسل تک پوری امانت داری سے پہنچایا ہے۔

ایمان بالکتب : ایمان بالرسالت کا دوسرا جزو ایمان بالکتب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے جو وعدہ فرمایا تھا کہ میری طرف سے نوع انسانی کے لئے ہدایت آتی رہے گی ﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی ﴾ یہ اس کی تعمیل ہے اور قرآن مجید صراحت سے بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو کتب ہدایت دے کر بھیجیں جو ان کی اقوام ان کے دور کے لئے ہدایت و رحمت تھیں۔ آخری کتاب قرآن مجید کو "الھدیٰ" بنا کر بھیجا جو تمام انسانوں کے لئے ﴿ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی ﴾ ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا تاکہ وہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنی رہے۔

ایمان بالرسل : ایمان بالرسالت کا تیسرا جزو ایمان بالرسل ہے' جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت بنی نوع انسان تک پہنچائی۔ وہ اس ہدایت کو انسانوں تک ہمیشہ یہ کہہ کر پہنچاتے رہے کہ "اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" اور "اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" یعنی چونکہ یہ ہدایت انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے پہلا ایمان لانے والا اور پہلا فرمانبردار میں خود ہوں۔

قانونی لحاظ سے یہ ایمان اہم ترین ایمان ہے کیونکہ اس کی بنیاد پر دنیا میں انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ گویا یہی ایمان انسانوں کا تشخص معین کرتا ہے کہ کون کس گروہ / امت سے تعلق رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو تمام امتیں کسی نہ کسی صورت میں اللہ اور آخرت کو مانتی ہیں' لیکن سوال یہ ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ کیوں ہیں؟ صرف ایمان بالرسالت کی بنیاد پر! اور اللہ تعالیٰ رسولوں کو اس لئے مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے لئے صراط مستقیم معین کریں' یعنی انہیں اللہ کی عطا کردہ ہدایت کے مطابق رہنمائی بھی کریں اور ان کے لئے اسوۂ حسنہ بھی فراہم کریں۔ قرآن حکیم کی آیت مبارکہ پر دوبارہ غور فرمایئے :

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا' مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا' وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ ﴾ (الشوریٰ : ۵۲)

"اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعہ سے

(قرآن مجید) بھیجا ہے۔ آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو' لیکن ہم نے اس (قرآن مجید) کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں' اور بے شک (اے محمدؐ) آپ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں"۔

اور فرمایا :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (مُحمد : ۳۳)

"اے ایمان والو! کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اور اپنے اعمال باطل نہ کرو"۔

اور فرمایا : ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ "جس نے رسول کی پیروی کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی" ـــــ مزید فرمایا :﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ "اور ہم کسی رسول کو بھیجتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے"۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا :

((مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ)) (رواه البخاری)

"جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے محمد (ﷺ) کی نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی' اور محمد (ﷺ) ہی لوگوں کے درمیان پہچان ہیں (یعنی کون سیدھی راہ پر ہے اور کون اللہ کا نافرمان ہے)"

اور اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) "جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ اسی میں سے ہے"۔ چنانچہ مسلمان وہی ہو گا جو مسلمانوں کی سی شکل و صورت' رہن سہن اور معاملات اختیار کرے۔ اور فرمایا: ((مَنْ اَحَبَّ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) "جو کسی (قوم کے طرز زندگی) سے محبت رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے"۔ چنانچہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والا ہے وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ زندگی پسند ہے۔ یعنی سنت رسول اللہ پر عمل پیرا ہے۔ جیسے فرمایا گیا :

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوْبَكُمْ ' وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (آل عمران : ٣١)

"فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"۔

اور آپؐ نے فرمایا : ((مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ)) "جس کو میری سنت پیاری ہے اس کو مجھ سے محبت ہے اور جس کو مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا"۔

کسی سے محبت کا دعویٰ تو کیا جائے ' لیکن پھر اس کی پیروی نہ کی جائے' یا اس کی نافرمانی کی جائے تو یہ بڑی تعجب کی بات ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں :

فَاِنَّ الْقَلْبَ اِذَا ذَاقَ طعمَ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَالْاِخْلَاصِ لهُ لم يكن شيءٌ قطُّ اَحلٰى من ذٰلك وَلا اَلَذُّ ولَا اَمْتَعُ ولَا اَطْيَبُ وَالانسانُ لا يترك محبوبًا الاَّ بِمَحبوبٍ اٰخرَ ' وَالسُّنَّةُ سَفِينةُ نُوحٍ مَن رَكِبَها نَجا وَمَن تَخَلَّفَ عنها غَرِقَ

"جب دل اللہ کی بندگی (محبت + اطاعت) کا ذائقہ چکھ لیتا ہے اور اس کے لئے خالص ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ میٹھی 'لذیذ' فائدہ مند اور پاکیزہ نہیں رہتی اور انسان کسی پسندیدہ چیز کو ہمیشہ کسی دوسری محبوب چیز ہی کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی سنت تو نوح علیہ السلام کی کشتی ہے' جو اس میں سوار ہو گا نجات پا جائے گا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا تو وہ تو غرق ہو گیا"۔

ہر شخص کو اپنی زندگی کے معمولات' اپنے پسندیدہ تمدن اور معاشرت کا جائزہ لینا چاہئے کہ اس کی پسند و ناپسند کا معیار کیا ہے۔ جو بھی اس کا پسندیدہ طرز زندگی ہے اصل میں وہی اس کا محبوب و مطاع ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے محبت اور آپؐ کی اطاعت ہی کا نام اصل اتباع ہے اور یہی ایمان بالرسول کا تقاضا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ)) یعنی "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین ' اپنی اولاد اور باقی تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں"۔ اور فرمایا :

((لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبِعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ))

"تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس دین کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں"۔

اور سچ کہا ہے کہ کسی شاعر نے

تَعْصِیْ الالٰہَ وانتَ تَظْهَرُ حُبَّهٗ هذا لَعَمْرُكَ فِی القیاسِ بَدِیعٌ
لَو کان حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لمن یُحِبُّ مُطَاعٌ

"تو اپنے معبود کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار بھی کرتا ہے۔
تیری جان کی قسم یہ تو قیاس میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو
تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی بات مانتا ہے"۔

نبی اکرم ﷺ نے اسی لئے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے مشابہت سے منع کیا' تاکہ اُن کی پہچان اور ان کا تشخص معین ہو جائے اور کسی شخص کو دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے اور کس امت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہی پیمانہ ہے جس کو آپ ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں بیان فرمایا :

((كُلُّ اُمَّتِیْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى - قِيْلَ وَمَنْ يَّاْبٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰى))

"میرے تمام اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے کہ جو (خود ہی جنت میں جانے سے) انکار کر دے۔ پوچھا گیا: بھلا جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: "(میری امت میں سے) جو کوئی میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو گویا اس نے (خود جنت میں جانے سے) انکار کر دیا"۔

اور عجیب حال ہے آپؐ کے اُمتیوں کا' کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی توڑ کر کر رہے ہیں اور ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کے نہ ماننے والوں کی طرز پر زندگی بسر کر رہے ہیں' لیکن کہتے یہ ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ بہت محبوب ہیں۔ مسلمانوں کی اس روش پر علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا ؎

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

مرتب : حافظ محبوب احمد خان

موت ایک ایسا راز ہے جس کے سامنے انسان کی کوئی دلیل کارگر نہیں ہے اور موت و زندگی کا یہ کھیل جاری ہے' مگر انسان شاہی میں فقیری کو' صحت میں بیماری کو' زندگی میں موت کو' جوانی میں بڑھاپے کو' روشنی میں تاریکی کو اور خوبصورتی میں بدصورتی کو یاد نہیں رکھ سکتا' کیونکہ بھولنا اس کی فطرت میں ہے۔ وہ بھولتا رہا ہے اور بھولتا رہے گا کہ موسیٰ ہو یا فرعون' گدا ہو یا فقیر' خوبصورت ہو یا بدصورت' جوان ہو یا بوڑھا' مریض ہو یا صحت مند' مرد ہو یا عورت موت نے بالآخر سب کو مٹانا ہے۔ انسان نے سد مارب' اہرام مصر' تاج محل جیسی عظیم الشان عمارات بنائیں جنہوں نے صدیوں زمانہ کے تغیر و تبدل کا مقابلہ کیا مگر بالآخر فنا ہی اُن کا مقدر رہے۔ جب ہم تاریخ سے رجوع کرتے ہیں تو سینکڑوں اقوام کے واقعات و آثار ہمارے سامنے آتے ہیں۔ قرآن کریم' جس میں انسانوں کیلئے کامل ہدایت ہے' کم و بیش پچیس تیس اقوام کا ذکر عبرت و نصیحت کیلئے کرتا ہے۔ اور اگر ایک قوم کا تذکرہ اختصار سے ملتا ہے تو ایک قوم کے بارے میں ہمیں سینکڑوں آیات بھی ملتی ہیں جن سے اُس قوم کے عروج و زوال کا فسانۂ عبرت ہمارے سامنے آتا ہے' جس میں اگر ہم غور کریں تو یقیناً ہم اپنے لئے راہنمائی پائیں گے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اقوام کی زندگی میں ہر عروج ایک زوال کا سبب بنا اور ہر زوال نے ایک عروج کو جنم دیا۔ قابیل کا مخالف ہابیل تھا تو ابراہیم علیہ السلام کے مدمقابل نمرود تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون آیا تو طالوت کا مقابلہ جالوت نے کیا۔ روشنی و تاریکی کے اسی سفر میں ہمیں رحمۃ للعالمین محمد عربی ﷺ بھی نظر آتے ہیں اور ابوجہل و ابولہب بھی۔ اگر ایک طرف روشنی کے مینار خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' موسیٰ بن

نصیر' عمر بن عبدالعزیز' محمد بن قاسم' صلاح الدین ایوبی' یوسف بن تاشفین رحمہم اللہ ہیں تو دوسری جانب عبداللہ بن سبا' ابن علقمی' جعفر و صادق جیسی ننگ انسانیت شخصیات دکھائی دیتی ہیں۔ سب نے زندگی گزاری ہے مگر کچھ نے موت کی حقیقت کو جان کر اور کچھ نے اس حقیقت کو بھلا کر۔ بقول علامہ اقبال ؎

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور!

زندگی اور موت کی یہ کشمکش صدیوں سے جاری ہے اور ہمیشہ سے انسانوں میں بہت ہی کم لوگ ایسے رہے ہیں جو فلسفۂ موت و حیات کو سمجھ کر زندگی گزارنے والے ہوتے ہیں۔ ایک عرب شاعر مجھے اور آپ کو مخاطب کر کے یہی حقیقت اس طرح بیان کرتا ہے :

تَزَوَّدْ مِنَ التَّقْوىٰ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ اِذَا جَنَّ لَيْلٌ هَلْ تَعِيْشُ اِلَى الْفجرِ؟
وَكَمْ مِنْ فَتًى اَمْسٰى واَصْبَحَ ضاحكًا وقد نُسِجَتْ اَكْفَانُهٗ وَهُوَ لَا يَدْرِیْ
وَكَمْ مِنْ صِغَارٍ يُرْتَجٰى طُوْلُ عُمْرِهِمْ وَقَدْ اُدْخِلَتْ اَجْسَامُهُمْ ظُلْمَةَ الْقَبْرِ
وَكَمْ مِنْ عروْسٍ زَيَّنُوْهَا لِزَوْجِهَا وَقَدْ قُبِضَتْ ازواحُهُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ
وَكَمْ مِنْ صَحِيْحٍ مَاتَ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ وَكَمْ مِنْ سَقِيْمٍ عَاشَ حِيْنًا مِنَ الدَّهْرِ
لَا تَرْكَنَنَّ اِلَى الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا فَالمَوتُ لَا شَكَّ يُفْنِيْنَا وَيُفْنِيْهَا
وَاعْمَلْ لِدَارِ غَدٍ رِضْوَانُ خَازِنُهَا وَالجَارُ اَحْمَدُ وَالرَّحْمٰنُ نَاشِيْهَا
قُصُوْرُهَا ذَهَبٌ وَالمِسْكُ طِيْنُهَا وَالزَّعْفَرَانُ حَشِيْشٌ نَبَتَ فِيْهَا

(۱) "اے مخاطب تو تقویٰ کو زادِ راہ بنا لے کیونکہ تجھے پتہ نہیں کہ جب رات آئے گی تو تو نے فجر تک زندہ رہنا ہے یا نہیں۔ (۲) پس بہت سے نوجوانوں نے ہنستے ہوئے صبح اور شام کی جبکہ ان کے کفن تیار ہو چکے اور انہیں پتہ بھی نہیں۔ (۳) اور بہت سے بچے جن کی لمبی عمر کی اُمیدیں کی جاتی ہیں ان کے جسم قبر کے اندھیرے میں ڈال دیئے گئے۔ (۴) اور بہت سی دلہنوں کو ان کے خاوندوں کے لئے سجایا جاتا ہے اور قدر کی رات میں ان کی روحیں پرواز کر جاتی ہیں۔ (۵) اور بہت سے تندرست آدمی بغیر بیماری کے مر جاتے ہیں اور بہت سے بیمار طویل زمانہ زندہ رہ لیتے ہیں۔ (۶) نہ جھکنا دُنیا کی طرف اور دُنیا کی چیزوں کی طرف' کیونکہ موت بلاشک ہمیں فنا کر دے گی اور اس دُنیا کو بھی فنا کر دے گی۔

(۷) عمل کر کل کے اُس گھر کے لئے جس کا ضامن رضوان نام کا فرشتہ ہے اور نبی پاک احمد ﷺ اہل جنت کے پڑوسی ہیں اور رحمٰن جنت کے خالق ہیں۔
(۸) اس کے محل سونے کے ہیں اور جنت کی مٹی کستوری ہے' زعفران گھاس کی جگہ ہے جو وہاں اُگتی ہے"۔

دُنیا میں انسان مال جمع کرتا ہے اور ماں باپ' اولاد' بیوی کے لئے جیتا ہے مگر ہر لمحے اس کو یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ جانے کب یہ سب چھوٹ جائے اور اسے ان سب کو داغ مفارقت دینا پڑے۔ یہی چیزیں انسان کو دُنیا میں مشغول رکھتی ہیں اور اپنے رب سے غافل کر دیتی ہیں۔ اہل بصیرت حضرات اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھتے ہیں۔ یہ تصور اُنہیں دُنیا کی محبت اور دلچسپیوں اور تعلق باری تعالیٰ کے درمیان "توازن" رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اگر انسان اپنی توجہ مکمل طور پر دُنیا پر ہی لگا دے اور اس میں بہت سا مال و دولت اور شہرت و ناموری بھی کما لے تب بھی اس مال و دولت کو قرآن کریم نے خسارے کی تجارت قرار دیا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اسی راز کو بیان کرتی ہے :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

(التوبۃ : ۲۴)

"اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تم کو تمہارے ماں باپ' بیٹے بیٹیاں' بہن بھائی' زن و شوہر' قوم و قبیلہ اور وہ مال جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے خسارہ کا تم کو ڈر لگا رہتا ہے اور وہ محل جن میں بسنا تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے (وہ سب) زیادہ پیارے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے تب تم منتظر رہو کہ اللہ تمہارے لئے اپنا کوئی فیصلہ لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا"۔

ان تمام چیزوں سے محبت جن کا ذکر مذکورہ بالا آیت میں ہوا ہے' اگرچہ ایک فطری میلان ہے' اسی لئے رب العالمین نے جو فاطر فطرت ہے ان سب کے ساتھ انسانی محبت کی نفی

نہیں فرمائی اور نہی نہیں کی' بلکہ تفریق درجات کے سبق کی تعلیم دی ہے۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ دنیوی لذات کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ ان کا بچ اور فانی ہونا یقینی ہے اور یہ کہ تمام عیش و عشرت کے سامان محض چند روزہ ہیں اور عالم جاودانی کے مقابلہ میں خواب کی مانند ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے :

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ' ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا' وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ ﴾

(آل عمران : ۱۴)

"لوگوں کے لئے نفسانی خواہشوں کی محبت کو زینت دی گئی ہے' جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی' یہ دُنیا کی زندگی کا فائدہ ہے' اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے"۔

ایک عرب شاعر بہت خوبصورت انداز میں زندگی کی ناپائیداری بیان کرنے کے بعد انسان کو اعمال صالح کی طرف اس طرح راغب کرتا ہے :

يَا مَنْ بِدُنْيَاهُ اشْتَغَلْ قَدْ غَرَّهُ طُولُ الاَمَلْ
اَلْمَوْتُ يَاْتِي فَجْاَةً وَالْقَبْرُ صَنْدُوْقُ الْعَمَلْ
اَللَّيْلُ مَهْمَا طَالَ لاَ بُدَّ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَالْعَصْرُ مَهْمَا طَالَ لاَبُدَّ مِن دُخُولِ الْقَبْرِ
يَا ذَالَّذِيْ وَلَدَتْكَ اُمُّكَ بَاكِيًا وَالنَّاسُ حَولَكَ يَضْحَكُوْنَ سُرُوْرًا
اِحرِصْ عَلٰى عَمَلٍ تَكُونُ بِهٖ مَتٰى يَبْكُونَ حَولَكَ ضَاحِكًا مَسْرُورًا
اِذَا الْمَرْءُ لَمْ يَلْبَسْ ثِيابًا مِنَ التُّقٰى تَقَلَّبَ عُرْيَانًا وَاِنْ كَانَ كَاسِيًا
وَخَيْرُ لِبَاسِ الْمَرْءِ طَاعَةُ رَبِّهٖ وَلاَ خَيْرَ فِيْمَنْ كَانَ لِلّٰهِ عَاصِيًا •
عِشْ رَاضِيًا وَاهْجُرْ دَوَاعِي الْاَلَمْ وَاعْدِلْ مَعَ الظَّالِمِ مَهْمَا ظَلَمْ
نِهَايَةُ الدُّنْيَا فَنَاءٌ فَعِشْ فِيْهَا كَرِيْمًا وَاعْتَبِرْهَا عَدَمْ
اَلدُّنْيَا سَاعَةٌ فَاجْعَلْهَا طَاعَةً وَالنَّفْسُ طَمَاعَةٌ فَاَلْزِمْهَا الْقَنَاعَةْ
يَا نَفْسُ تُوْبِي فَاِنَّ الْمَوْتَ قَدْ حَانَا وَاعْصِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْهَوٰى مَا زَالَ فَتَّانَا

"اے وہ شخص جس کا مشغلہ ہی دُنیا ہے اور اس کو دھوکا دیا لمبی امید نے' موت

بھی اچانک آئے گی اور قبر عمل کا صندوق ہوگی۔ رات جتنی بھی لمبی ہو جائے فجر ضرور طلوع ہوگی' عمر جتنی بھی لمبی ہو جائے قبر میں جانا ضرور ہے۔ اے انسان جب تیری ماں نے تجھے جنا تھا تو تو رو رہا تھا اور لوگ تیرے اردگرد ہنستے تھے' گویا تیرا مذاق اڑایا گیا۔ پس تو ایسے طریقے سے عمل کر کہ جب وہ روئیں تیرے مرنے کے دن تو تو ہنس رہا ہو۔ جب آدمی تقویٰ کے کپڑے نہ پہنے تو ننگا ہی پلٹے گا اگرچہ اُس نے کپڑے پہنے ہوں اور آدمی کا بہترین لباس اپنے پروردگار کی اطاعت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ دُنیا میں بخوشی زندگی گزار اور تکلیف دہ سب کام چھوڑ' اور ظالم جب ظلم کرے اس کے ساتھ انصاف کر۔ دُنیا کا انجام فنا ہے سو اس میں زندگی گزار شرافت کے ساتھ اور دُنیا کو نہ ہونے کے برابر سمجھ۔ دُنیا ایک گھڑی ہے اس کو نیکی سے پر کرنا چاہئے اور نفس بہت لالچی ہے اس کو گزارے کا عادی بنانا چاہئے۔ اے نفس تو توبہ کر لے کیونکہ موت کا وقت قریب آگیا ہے اور خواہش کی نافرمانی کر کیونکہ خواہش ہمیشہ فتنہ میں ڈالنے والی ہے"۔

دُنیا ایک امتحان گاہ ہے' اس میں انسان کو مختلف قسم کے حالات پیش آتے ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں مثال حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی ہے۔ مکہ میں آزمائش و ابتلاء کا دَور ہے اور ہجرت مدینہ ان کے عروج کا آغاز ہے۔ اسی طرح تمام انسانوں میں غربت و امارت' خوشی و غمی میں بھی اُتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔ جو امارت میں دوست ہوتے ہیں وہ غربت میں نہیں۔ خوشیوں میں شریک ہونے والے غمی میں شریک نہیں ہوتے۔ جب آپ دولت مند ہوتے ہیں تو لوگ آپ کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں' اس کے برعکس صورت میں لوگ دُور بھاگتے ہیں۔ بقول شاعر :

إِذَا قَلَّ مَالِي فَمَا خِلٌّ يُصَاحِبُنِي ... وَفِي الزِّيَادَةِ كُلُّ النَّاسِ خُلَّانِي
وَكَمْ مِنْ عَدُوٍّ لِأَجْلِ الْمَالِ صَادَقَنِي ... وَكَمْ مِنْ صَدِيقٍ لِأَجْلِ الْمَالِ عَادَانِي
رَأَيْتُ النَّاسَ قَدْ مَالُوا إِلَى مَنْ عِنْدَهُ مَالٌ ... وَمَنْ لَا عِنْدَهُ مَالٌ فَعَنْهُ النَّاسُ قَدْ مَالُوا
رَأَيْتُ النَّاسَ قَدْ ذَهَبُوا إِلَى مَنْ عِنْدَهُ ذَهَبٌ ... وَمَنْ لَا عِنْدَهُ ذَهَبٌ فَعَنْهُ النَّاسُ قَدْ ذَهَبُوا
رَأَيْتُ النَّاسَ مُنْفَضَّةٌ إِلَى مَنْ عِنْدَهُ فِضَّةٌ ... وَمَنْ لَا عِنْدَهُ فِضَّةٌ فَعَنْهُ النَّاسُ مُنْفَضَّةٌ

"جب میرا مال کم ہو تو کوئی میرا دوست نہیں رہتا' جب زیادہ ہو تو لوگ میرے

دوست ہو جاتے ہیں۔ کتنے ہی دشمن ہیں جو مال کی وجہ سے میرے دوست بن گئے اور کتنے ہی دوست ہیں جو مال کی وجہ سے میرے دشمن بن گئے۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مال والے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جس کے پاس مال نہ ہو اس سے بھاگتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ لوگ اس کے پاس جاتے ہیں جس کے پاس سونا ہو اور جس کے پاس سونا نہ ہو وہاں سے دُور بھاگتے ہیں۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ جس کے پاس چاندی ہو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اور جس کے پاس چاندی نہ ہو تو وہاں سے دور بھاگتے ہیں"۔

اسلام اس بات پر زور دیتا ہے انسان اپنی خواہشات کو اسلام کے مطابق ڈھالے۔ سو ہوشیار اور سمجھدار آدمی وہی ہے جو دُنیا میں اللہ جل شانہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے اور سب گناہوں سے ہر حال میں بچے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔

فقیہ عمارالیمنی نے اہرام مصر کے بارے میں کہا ہے :

خَلِیْلَیَّ مَا تَحْتَ السَّمَاءِ بَنِیَّۃ
مُمَاثِلٌ فِی اِتْقَانِهَا هَرْمَیْ مِصْرَ
بِنَاءٌ یَخَافُ الدَّهْرُ مِنْهُ وَکُلُّ مَا
عَلَی ظَاهِرِ الدُّنْیَا یَخَافُ مِنَ الدَّهْرِ
تَنَزَّهُ لِمَرْفِی فِیْ بَدِیْعِ بِنَاءِ هَا
وَلَم یَتَنَزَّهْ فِی الْمُرَادِ بِهَا فِکْرِیْ

"دوستو! آسمان کے نیچے کوئی عمارت ایسی نہیں جو اپنے استحکام میں مصر کے دو ہرموں کے مشابہ ہو۔ یہ ایسی عمارت ہے جس سے زمانہ بھی ڈرتا ہے حالانکہ روئے زمین کی دوسری چیزیں زمانے سے ڈرتی ہیں۔ میری آنکھ اس عجیب و غریب عمارت کو دیکھ کر محظوظ ہوتی ہے لیکن یہ عمارت جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہے' اُس کے تصور سے میرا ذہن محظوظ نہیں ہوتا"۔

انسان دُنیا میں ہمیشہ زندہ رہنے کا طالب رہا ہے' یہ خواہش انسان کی سب سے بڑھی ہوئی خواہشات میں سے ایک ہے۔ قرآن کریم نے انسان کی اس معاملے میں رہنمائی کی ہے کہ

اگر آپ ابدی زندگی چاہتے ہیں تو جس ہستی نے آپ کو بنایا ہے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی بسر کیجئے اور اس کے احکام کی تنفیذ و تکمیل کے لئے دُنیا میں جہاد کیجئے۔ کامیابی و کامرانی آپ کا مقدر بنے گی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (التوبہ : ۱۱۱)

"بلاشبہ اللہ نے مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس کے عوض کہ انہیں جنت ملے گی۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں اور (کبھی) مار ڈالے جاتے ہیں۔ اس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں' اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی اس تجارت پر جس کا تم نے سودا کیا ہے' اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا غایت درجہ کرم ہے کہ ہماری جان و مال کا مالک ہونے کے باوجود ہم کو ان کے بدلے میں جنت عطا فرما رہے ہیں' ورنہ ہماری جان اور ہمارا مال ہماری ملکیت تو نہیں ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ستر شرفائے مدینہ نے آکر نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تو ان کے ایک سردار عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ شرط ہے کہ اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو اس طرح میری بھی حفاظت کرو۔ وہ بولے اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ فرمایا جنت۔ وہ لوگ بول اُٹھے کہ یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا۔ ہم نہ اس تجارت کو توڑیں گے اور نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں گے!

متذکرہ بالا وعدہ اُمت محمدیؐ کے ایک ایک مجاہد سے قیامت تک طے ہو چکا ہے۔

اور ہمارے لئے تو یہ وعدہ ہی کافی ہے کہ اس کا کرنے والا کوئی اور نہیں خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو اپنے وعدہ کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ اور وعدہ کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس میں انسان کی سب سے بڑی خواہش یعنی ابدی زندگی کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ اس آیت میں مذکور تورات اور انجیل کے حوالے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تجارت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی کیا تھا مگر انہوں نے دُنیا کی تجارت کو اس عظیم تجارت پر ترجیح دی اور اس بڑی کامیابی کو ٹھکرا کر خسارے والی تجارت کو اپنایا۔ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ میں اس تجارت کو اپنانے والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کو مُردہ بھی نہ کہا جائے کیونکہ وہ زندہ ہیں اور ہم اس کا شعور نہیں رکھتے ہیں :

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (البقرہ : ۱۵۴)

"اور ان کو مُردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے"۔

لیجئے قرآن کریم نے ہماری اس "خواہش" کا مسئلہ تو حل کر دیا ہے اور ہمارے سامنے ابدی زندگی کا راستہ اور ہماری اس خواہش کے حصول کا ذریعہ بیان کرتے ہوئے اس کی تکمیل کا سامان کر دیا ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم ان راستوں میں سے کس کا انتخاب کرتے ہیں؟

ماخذ :

(۱) جہان دیدہ، جسٹس محمد تقی عثمانی

(۲) ترجمہ احوال الجنۃ واھوال النار، محمد عتیق الرحمٰن

(۳) تفسیر ماجدی، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار(۶)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے
نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۱۹) جہاں غلطی ہو' اس پر تنبیہہ کرکے باقی عمل کو قبول کرنا :

بعض اوقات کوئی بات یا کوئی کام سارے کا سارا غلط نہیں ہوتا' اس صورت میں حکمت کا تقاضا ہے کہ صرف اتنی چیز کو غلط کہا جائے جو غلطی پر مشتمل ہے' پوری بات یا سارے عمل کو غلط قرار نہ دیا جائے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جو حضرت رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ بن عَفْراء (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب میری رخصتی ہوئی تو نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپؐ میرے پاس اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم (۷۵) بیٹھے ہوئے ہو۔ ہماری کچھ بچیاں دف بجانے لگیں اور جنگ بدر میں ہمارے جو بزرگ جاں بحق ہوئے تھے' ان کے بارے میں شعر پڑھنے لگیں۔ اس دوران ایک لڑکی نے یہ شعر پڑھا: وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ (ہم میں وہ نبی ہے جو کل کو پیش آنے والے حالات سے باخبر ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "یہ بات چھوڑ دے' اور جو کچھ تو پہلے کہہ رہی تھی' وہی کہتی رہ۔"(۷۶)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس بات سے خاموش رہ' اور وہ بات کہہ جو تو اس سے پہلے کہہ رہی تھی۔"(۷۷)

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "یہ بات نہ کہو' جو کچھ کل ہونے والا ہے اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔"(۷۸)

اس رویئے کے نتیجے میں غلطی کرنے والے کو اصلاح کرنے والے کے عدل و انصاف کا احساس ہوتا ہے' جس کی وجہ سے غلطی کرنے والا اس کی تنبیہہ کو آسانی سے قبول کرلیتا ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگ غلطی دیکھ کر اس قدر غضب ناک ہوتے ہیں کہ وہ اس کی صحیح اور غلط پر مشتمل پوری بات کو غلط کہہ کر رد کردیتے ہیں جس کی وجہ سے غلطی کرنے والا بھی اپنی غلطی تسلیم کرکے اصلاح پر آمادہ نہیں ہوتا۔

بعض اوقات غلطی اُن الفاظ میں نہیں ہوتی جو کہے گئے ہیں' بلکہ جس موقعہ پر وہ الفاظ کہے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتا۔ جیسے جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے تو تعزیت کے لئے آنے والوں میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ فاتحہ پڑھیں اور تمام حاضرین سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں۔ دلیل کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن ہی پڑھا ہے کوئی کفریہ کلام تو نہیں پڑھا۔ تو ایسے لوگوں کے لئے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ان کے عمل میں جو غلطی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس موقعہ پر ایک عبادت کے طور پر فاتحہ کی تخصیص کرلی ہے حالانکہ اس کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں' اور بدعت یہی تو ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی تھی جب ان کے قریب ایک شخص کو چھینک آئی اور اُس نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ تو ابن عمرؓ نے فرمایا: "یہ تو میں بھی کہتا ہوں کہ سب تعریف اللہ کے لئے (الحمدللہ) اور رسول اللہ (ﷺ) پر سلام ہو (والسلام علی رسول اللہ)' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح کہنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ہر حال میں الحمدللہ کہیں۔"(۷۹)

۲۰) حق دار کو حق دلانے کے ساتھ ساتھ غلطی کرنے والے کے مقام کا احترام برقرار رکھنا:

امام مسلم نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے' انہوں نے فرمایا: "خاندان حمیر سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی نے (جنگ کے دوران) دشمن کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ انہوں نے مقتول کا سامان لینا چاہا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ سامان دینے سے انکار کردیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس فوج کے سپہ سالار تھے۔ حضرت عوف

بن مالک رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "آپ نے اُسے اس کا لوٹ کا سامان دینے سے کیوں انکار کیا؟" انہوں نے کہا: "یارسول اللہ! میں نے محسوس کیا کہ یہ بہت زیادہ ہے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اسے وہ سامان دے دیجئے"۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے حضرت خالدؓ کی چادر کھینچی' اور (حمیری صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تھا' وہ کام رسول اللہ ﷺ سے کروا دیا نا؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو غضبناک ہو گئے۔ فرمایا: "خالد! اسے نہ دینا' خالد' اسے نہ دینا' کیا تم میرا لحاظ کر کے میرے (مقرر کردہ) امیروں کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمہاری اور ان کی مثال تو ایسے ہے جیسے ایک آدمی کو اونٹوں یا بکریوں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی' اُس نے ان کا خوب اچھی طرح خیال رکھا۔ پھر ان کو پانی پلانے کے وقت کا خیال رکھا' اور انہیں (بروقت) حوض پر لے گیا' انہوں نے پانی پینا شروع کیا تو صاف پانی پی لیا اور گدلا پانی چھوڑ دیا۔ تو صاف پانی تو تم لوگوں کے لئے ہے اور گدلا پانی ان (سالاروں) کے لئے؟"(۸۰)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے زیادہ تفصیل سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ اس روایت کے مطابق حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم شام کی طرف جہاد کے لئے گئے' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر کیا گیا۔ عوف فرماتے ہیں: حمیر کی امدادی فوج کا ایک آدمی ہمارے ساتھ آملا۔ وہ ہمارے خیمہ میں آگیا۔ اس کے پاس صرف ایک تلوار تھی اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ایک مسلمان نے ایک اونٹ ذبح کیا' اُس نے کسی نہ کسی طرح اس کی کھال کا ڈھال کی شکل کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا۔ اُس نے اسے زمین پر بچھا کر آگ جلا کر خشک کر لیا۔ پھر ڈھال کی طرح اُس کو ایک دستہ لگا دیا۔ پھر ایسا ہوا کہ دشمنوں سے ہماری مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ ان میں رومی بھی تھے اور قضاعہ قبیلے کے عربی بھی۔ انہوں نے ہم سے بڑی شدید جنگ کی۔ ان کی فوج میں ایک رومی سرخ گھوڑے پر سوار تھا' جس کی کاٹھی پر سونا لگا ہوا تھا' اس کی پیٹی پر بھی بہت سونا لگا ہوا تھا' اور تلوار بھی ایسی ہی تھی۔ وہ مسلمانوں پر حملے کرنے لگا اور اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔ مسلمانوں کی

امدادی فوج کا وہ مجاہد اس رومی کی تاک میں رہا' حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو اس پر پیچھے سے حملہ کر دیا' اس کی تلوار گھوڑے کی ٹانگ پر لگی' وہ آدمی گر گیا۔ مجاہد نے اس پر تلوار کے وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی' تو اُس نے اپنے سامان کا مطالبہ کیا (جو مقتول کافر سے حاصل ہوا تھا)' لوگوں نے گواہی دی کہ اِسی نے اس رومی کو قتل کیا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اُسے کچھ سامان دیا' باقی روک لیا۔ جب وہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے خیمے میں آیا تو یہ بات بتائی۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: دوبارہ ان کے پاس جائیے' وہ باقی سامان بھی دے دیں گے۔ وہ دوبارہ گیا' لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ ہے کہ سلب (مقتول کا ذاتی سامان) قاتل کے لئے ہوتا ہے؟ خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ یہ سامان اس کے لئے بہت زیادہ ہے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی (یعنی جب بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوا) تو یہ واقعہ ضرور عرض کروں گا"۔ جب وہ مجاہد مدینہ آیا تو حضرت عوف رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اُس نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ (جب وہ آئے تو) عوف رضی اللہ عنہ (مجلس میں) بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خالد! آپ نے اس شخص کو اس کے مقتول کا سامان کیوں نہیں دیا؟" انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے خیال تھا کہ وہ بہت زیادہ ہے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "وہ اسے دے دیجئے"۔ (آنحضرت ﷺ کے پاس سے اُٹھ کر) خالد رضی اللہ عنہ عوف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی چادر کھینچی اور (حمیری صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: میں نے تیرے لئے رسول اللہ ﷺ کو جو بات عرض کی تھی' اس کا تجھے فائدہ پہنچ جائے گا"۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی۔ آنحضرت ﷺ نے غضبناک ہو کر فرمایا: "خالد! اسے نہ دینا۔ کیا تم میرا لحاظ کر کے میرے (مقرر کردہ) امیروں کو نہیں چھوڑ سکتے؟ تمہاری اور ان (امراء) کی مثال تو ایسے ہے جیسے کسی شخص کو اونٹ یا بکریاں چرانے کی ذمہ داری سونپی گئی' اس نے انہیں چرایا' پھر ان کو پانی پلانے کے لئے اچھی جگہ تلاش کی'

پھر انہیں (وہاں بنے ہوئے) حوض پر لے گیا' انہوں نے پانی پینا شروع کر دیا' اور (سارا) صاف پانی پی لیا' گدلا پانی چھوڑ دیا۔ (تمہاری حالت بھی یہی ہے کہ) صاف پانی تو تمہارے لئے ہے اور گدلا ان کے لئے"۔ (۸۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی کہ انہوں نے قاتل کو زیادہ سلب نہیں دیا' تو نبی اکرم ﷺ نے حق دار کو اس کا حق دیئے جانے کا حکم دے کر اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ لیکن حضور ﷺ نے جب یہ سنا کہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا مذاق اُڑاتے ہوئے حمیری صحابی سے کہا کہ میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تھا' کیا میں نے وہ کام رسول اللہ ﷺ سے کروا دیا یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی چادر کھینچی تھی جب وہ ان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "خالد! اسے مت دینا"۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ امیر اور قائد پر اعتماد بحال رکھا جائے' کیونکہ لوگوں میں ان کے مقام کو قائم رکھنے میں واضح فوائد موجود ہیں۔ (جاری ہے)

بقیہ : ایمانیات ثلاثہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

ایمان بالرسالت کا تقاضا خود رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں یہ ہے :

((یَاَیُّھَا النَّاسُ لَیْسَ مِنْ شَیْئٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِّنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُکُمْ بِہٖ ' وَلَیْسَ مِنْ شَیْئٍ یُقَرِّبُکُمْ اِلَی النَّارِ وَیُبَاعِدُکُمْ مِنَ الْجَنَّۃِ اِلَّا قَدْ نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ)) (بیہقی' و رزین' عن ابن اسود رضی اللہ عنہ)

"اے لوگو! کوئی چیز نہیں ہے جو تمہیں جنت سے قریب کرے اور دوزخ سے دور مگر وہی جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے' اور کوئی چیز نہیں جو تمہیں دوزخ کے قریب کرے اور جنت سے دور مگر وہی جس سے میں نے تمہیں روکا ہے"۔

(جاری ہے)

قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی

نور اسلام اکیڈمی کی مطبوعات

میں دو نئی کتب کا اضافہ

(۱) مسلمان عورت کا پردہ اور لباس نماز

تالیف : امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ 'تعلیقات علمیہ : امام ناصر الدین البانی

ترجمہ : مقصود الحسن فیضی' نظر ثانی و تقدیم : شیخ صفی الرحمٰن مبارک پوری

عورت کے لئے پردہ اسلامی شریعت کا ایک واضح حکم ہے —— اور چونکہ عورت کا چہرہ اس کے حسن و قبح کا اصل معیار ہے اس لئے پردے کے حکم کا اولین ہدف یہ ہے کہ چہرہ نگاہوں سے اوجھل رہے۔ لیکن بعض اہل علم نے اس مسئلے میں بڑی بے احتیاطی برتی ہے اور اس کے لئے عجیب و غریب "دلائل" پیش کئے ہیں۔ چنانچہ ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ عورت کو حالت نماز میں چہرہ اور ہاتھ ڈھانپنے کا حکم نہیں ہے اس لئے یہ دونوں پردے کے دائرے سے خارج ہیں۔ پیش نظر کتاب میں اس بے تکی دلیل کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور اس نکتے کو بڑے مدلل اور جامع انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ صفحات : ۶۴ قیمت : ۲۷ روپے

(۲) ارادہ ہے توبہ کرلوں 'لیکن...

تالیف : الاستاذ محمد بن صالح المنجد' ترجمہ : ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

امر واقعہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا ازلی و ابدی دشمن ہے' جو مقابلہ میں سامنے سے وار کرنے کی بجائے چکر اور چکمہ دے کر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ کی رحمت سے محروم کر دے۔ لہٰذا وہ مختلف حربوں' وسوسوں' سازشوں اور مکاریوں سے انسان کو گناہوں میں الجھائے رکھنے اور توبہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں شیطان کے ان حربوں کا جواب فراہم کیا گیا ہے۔ صفحات : ۹۶' قیمت : ۴۰ روپے

نورِ اسلام اکیڈمی کی مطبوعات کا تعارف خط لکھ کر مفت طلب کیجئے

برائے رابطہ : حافظ خالد محمود خضر' نور اسلام اکیڈمی

پوسٹ بکس 5166' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 5884789 (دوپہر دو بجے کے بعد)

(ہماری مطبوعات مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ذریعے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

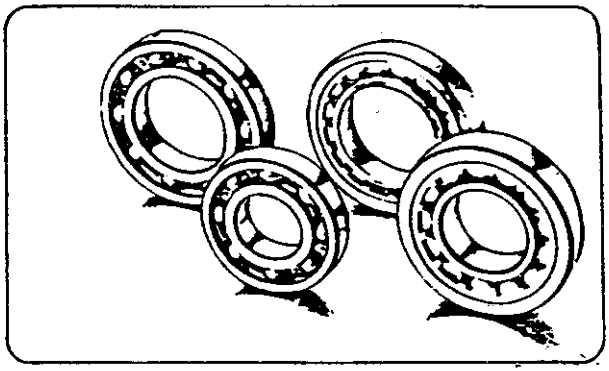

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734778

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly)	Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169
GUJRANWALA :	1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 47 No. 8
Aug. 1998

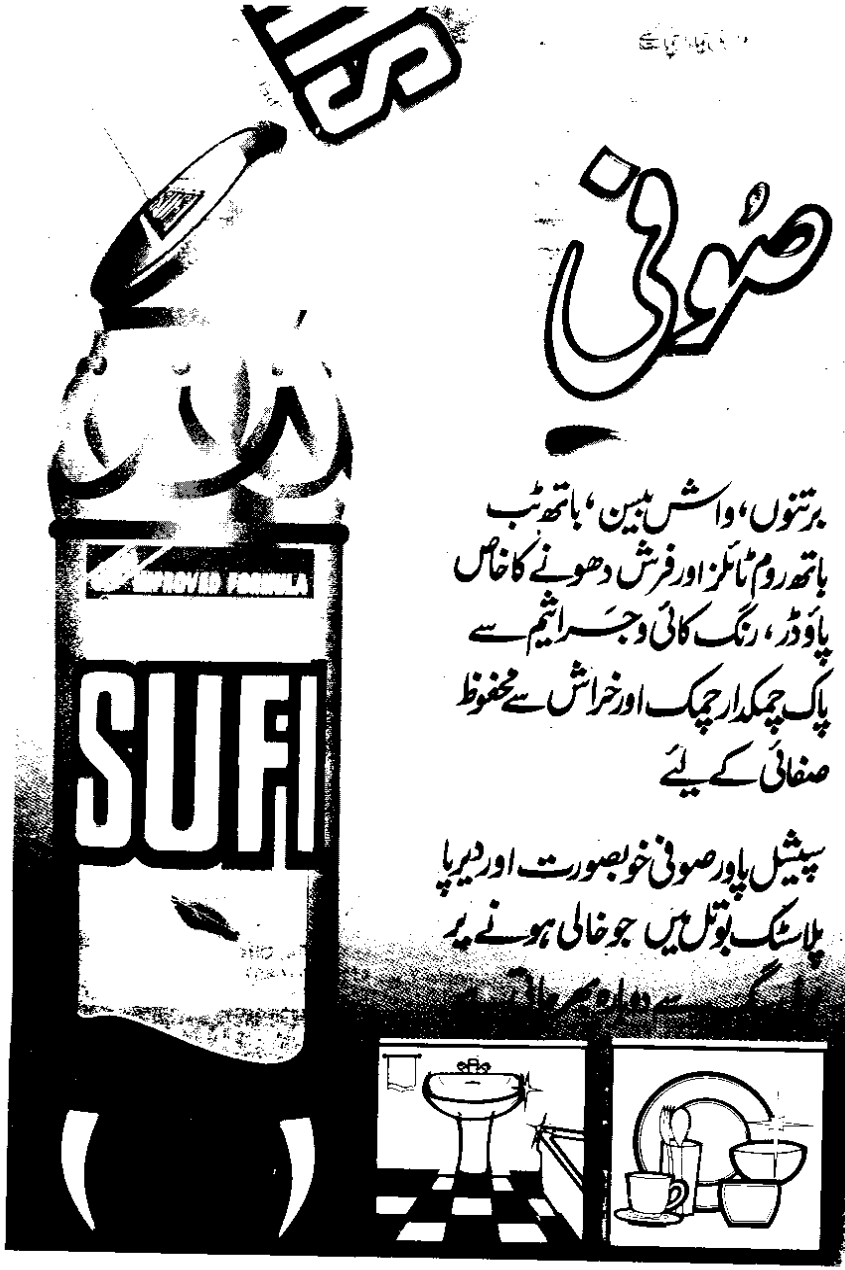

FOTO SCAN PH;7234042-711190